مئی ۱۹۷۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۲۱	مئی ۱۹۷۴ء	شمارہ ۵

فہرست مضامین

عرض احوال	— — — — — — —	ڈاکٹر اسرار احمد	کور کا صفحہ ۱
محلافھا تذکرہ	● ایک حدیث نبوی — — —	مرسلہ شیخ جمیل الرحمان	۱
تدبر قرآن	● تفسیر سورہ کہف (۴)— — —	مولانا امین احسن اصلاحی	۲
مطالعۂ قرآن	● مرتبۂ صدیقیت (۲) — — —	ڈاکٹر اسرار احمد	۹
مقالات	● منطق استقرائی اور قرآن حکیم — —	مولانا محمد حنیف ندوی	۱۹
	● سائنسی طریق کار اور قران حکیم —	ڈاکٹر امان اللہ خاں	۳۱
رفتار کار	● سالانہ رپورٹ انجمن خدام القرآن کراچی	شیخ جمیل الرحمان معتمد عمومی	۴۱
افکار و آراء	● برید حرم — — — — —	زبیر بن عمر صدیقی مکہ مکرمہ	۴۹
	● ” یہ بھی اک رخ ہے - - “ — —	ارشاد احمد علوی رحیم یارخاں	۵۴
	● ” فنافی القرآن یا بقا بالقرآن “ —	ڈاکٹر عبدالخالق ” ”	۵۶

* مدیر مسؤل *

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم-بی-بی-ایس (پنجاب) -ایم اے اسلامیات (کراچی)

* یکے از مطبوعات *

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد، لاہور (فون : ۶۸۲۳۵)

چندہ سالانہ -/۱۰ —————— قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

یہ سراسر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ ہمیں کم از کم اپنے اس وعدے کے ایفاء اور اس عزم کی تکمیل کی توفیق حاصل ہو گئی کہ آئندہ 'میثاق' پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ اور حتی الامکان بر وقت چھپتا رہے گا۔ چنانچہ غالباً اپنی تاریخ میں پہلی بار مئی کا یہ شمارہ آج ۲۲ اپریل کو ہر طرح سے مکمل ہو کر پریس کے حوالے ہو رہا ہے اور اس میں آئندہ شمارے کے مضامین کی پیشگی اطلاع بھی موجود ہے۔ فللہ الحمد و المنۃ

جہاں تک معیار کا تعلق ہے اس کا فیصلہ، ظاہر ہے کہ، ہمارا نہیں قارئین کا کام ہے۔ اپنی حد تک کوشش ہم نے اس میدان میں بھی کی ہے لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ ابھی اس سلسلے میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

بہت سے احباب کو شدید اصرار ہے کہ ملکی و سیاسی حالات کے بارے میں ضرور اظہار رائے ہونا چاہیے ـــــ تو گذارش ہے کہ جہاں تک روز مرہ کی تبدیلیوں کا تعلق ہے حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ "گاؤ آمد و خر رفت!" یا "خر آمد و گاؤ رفت!" ان معاملات پر قلم زنی ہمارے نزدیک وقت کا ضیاع اور قلم و قرطاس کا زیاں ہے۔

البتہ جہاں تک وسیع تر سطح پر ـــــ اور گہرائی و گیرائی دونوں کے حامل سیاسی تجزیوں کا تعلق ہے تو اس معاملے میں ہمیں یہ اعتراف بھی ہے کہ ہمیں ان سے گہری دلچسپی ہے اور اس سے بڑھ کر یہ 'ادعا' بھی ہے کہ ہمارا ہاتھ ملک و ملت کی نبض سے بھی زیادہ دور نہیں اور واقعات عالم کی رفتار اور عالمی سیاست کی بساط پر مہروں کی نقل و حرکت سے بھی ہم بالکل بے خبر نہیں۔ چنانچہ ہمارے ۷۰ - ۱۹۶۹ کے طویل سیاسی تجزیے اس کے شاہد عادل ہیں ـــــ لیکن ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ ان کا حاصل کچھ نہیں ہے۔ عوام تو دور رہے ہمارے یہاں خواص کا عالم بھی یہ ہے کہ وہ بس اپنے بالکل قریب کے حالات و مسائل میں گم رہنے پر مصر ہیں اور ذرا دور نگاہ ڈالنے کی کوئی خواہش بھی ان میں موجود نہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ مغالطوں میں مبتلا رہنا ہمارا قومی شعار بن چکا ہے اور حقیقت بینی سے ہم اس طرح بھاگتے ہیں جیسے "حمر مستنفرہ" ـــــ بنابریں ہمارا تجربہ یہ رہا ہے کہ ان تجزیوں سے فوری طور پر تو سوائے ناراضگیوں اور بدگمانیوں کے کچھ ہاتھ نہیں آتا ـــــ وقت گذرنے پر مان بھی لیا جائے کہ "تم ٹھیک ہی کہتے تھے!" تو اس کا کیا حاصل! فقط ـــــــــــــــ خاکسار اسرار احمد

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ

ایک اہم حدیثِ نبویؐ

جو شیخ جمیل الرحمٰن، معتمد عمومی، انجمن خدام القرآن کراچی نے مولانا محمد عباس ندوی، خطیب جامع مسجد اہلحدیث، کورٹ روڈ کراچی سے ایک خطبہ جمعہ میں سنی اور بعد ازاں تحریرًا بھی حاصل کر لی اور اب قارئین 'میثاق' کی خدمت میں ہدیۃً ارسال کی ہے ——— (مدیر)

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليهِ وسَلَّمَ: "أَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّي رَسُوْلُ اللهِ وَ اَنَّ الْقُرْاٰنَ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللهِ؟" قُلْنَا: "بَلٰى!" قَالَ: "فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا!"

طبرانی کبیر ——— عَنْ جُبَيْرِ ابْنِ مطعم

ترجمہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "کیا تم اس کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ تعالےٰ کے پاس سے آیا ہے؟" ہم نے عرض کیا: "یقینًا!" تب آپ نے فرمایا "تو تم خوشیاں مناؤ، اس لیے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ پس اسے مضبوطی سے تھامے رکھو! تو تم اس کے بعد نہ کبھی ہلاک ہوگے نہ گمراہ!"

تدبر قرآن
مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ کہف

(۴)

۹- آگے کا مضمون، آیات ۵۰-۵۹

آگے آدمؑ و ابلیس کے ماجرے کا حوالہ دے کر قریش کو متنبہ کیا ہے کہ تم اس انکار و تکذیب میں بالکل سنت ابلیس کی پیروی کر رہے ہو۔ تم نے اسی ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز اور معبود بنا رکھا ہے جس نے قیامت تک کے لئے اولادِ آدمؑ کو دشمنی کا چیلنج دے رکھا ہے۔ یہ تم نے خدا کو چھوڑ کر نہایت ہی برا بدل اپنے لئے تلاش کیا ہے۔ یہ قرآن، جو تم کو سنایا جا رہا ہے، تمہارے لئے عظیم رحمت ہے۔ کہ یہ حقیقت کو تمہارے سامنے گوناگوں پہلوؤں سے پیش کر رہا ہے کہ بات تمہارے ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن تم رحمت کی جگہ عذاب کے اور روشنی کے بجائے پتھر کے طالب ہو اور مطالبہ کر رہے ہو کہ جب تک وہ عذاب تم کو نہ دکھا دیا جائے جس سے قرآن تمہیں ڈراتا ہے اس وقت تک تم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہو۔ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ رسول کا کام عذاب لانا نہیں ہوتا بلکہ صرف انذار و تبشیر ہوتا ہے۔ تم اپنا فرض انجام دو اور ان لوگوں کو، جن کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تمہارا رب بڑا غفور رحیم ہے اس وجہ سے ان کو مہلت دے رہا ہے ورنہ اگر فوراً عذاب دینا چاہے تو ابھی ان کی کمر توڑ کے رکھ دے لیکن اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے تو اسی پر بھروسہ کرو اور صبر کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو ——— اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت کیجئے:-

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ
آیات ۵۰-۵۹ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ
مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ
خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ

عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ
فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ
النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ
صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ
جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا
رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ
اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ
فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ
اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى
الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ
لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ
لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا
ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے، وہ جنوں میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا کارساز بناتے ہو، درآنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ ظالموں کے لئے کیا ہی بُرا بدل ہے! اور میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرتے وقت بلایا اور نہ خود انہی کو پیدا کرتے وقت بلایا اور میں گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بنانے والا نہ تھا۔ ۵۰-۵۱

اور یاد کرو جس دن وہ فرمائے گا کہ بلاؤ تو میرے شریکوں کو جن کو تم نے میرا شریک گمان کیا تو وہ ان کو بلائیں گے لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک مہلکہ حائل کر دیں گے اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے اور گمان کریں گے کہ وہ اسی میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے کوئی مفر نہیں پائیں گے۔ ۵۲-۵۳

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی رہنمائی کے لئے ہر قسم کی تنبیہات گوناگوں پہلوؤں سے بیان کر دی ہیں لیکن انسان سب سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کے پاس خدا کی ہدایت آچکی ہے، ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت مانگنے سے نہیں روکا ہے مگر اس چیز نے کہ وہ چاہتے ہیں کہ خدا کا وہی معاملہ ان کے لئے بھی ظاہر ہو جائے جو اگلوں کے لئے ظاہر ہوا یا عذاب الٰہی ان کے سامنے سے نمودار ہو جائے اور رسولوں کو تو ہم صرف خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں اور یہ کافر باطل کی مدد سے کٹ حجتیاں کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے حق کو پسپا کر دیں اور انہوں نے میری آیات کو اور اس چیز کو جس سے ان کو ڈرایا گیا ہے، مذاق بنا رکھا ہے اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جن کو ان کے رب کی آیات کے ذریعے سے یاد دہانی کی جائے تو وہ اس سے اعراض کریں اور اپنے ہاتھوں کی کرتوت کو بھول جائیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے کہ اس کو نہ سنیں۔ اس وجہ سے تم ان کو ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں ہیں اور تمہارا رب بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیتا لیکن ان کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اور وہ اس کے مقابل میں کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے اور یہ بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا جب کہ ان کے لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کیا۔ ۵۴-۵۹

۱۰- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۵۰

ابلیس جنات میں سے تھا

آدمؑ اور ابلیس کے ماجرے پر ان کے محل میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ یہاں ابلیس کی اصل و نسل سے متعلق اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ اس نے خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور راندہ ہوا۔ ابلیس کوئی مستقل اور غیر فانی مخلوق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ یہ اس جن کا لقب ہے جس نے حضرت آدمؑ کو دھوکہ دیا۔ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد کے ساتھ اس کی دشمنی معلوم و مشہور ہے۔

اس کی ذریت اپنے جد اعلیٰ کے مشن کو پوری مہارت کے ساتھ پورا کر رہی ہے اور اس نے خود انسانوں میں سے انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایسے ایسے پرفن دجال جیت لئے ہیں کہ خود ابلیس بھی ان کو دیکھے تو ان کی کارروائی پر عش عش کر اٹھے اور ان کو داد دے کہ شاباش میرے فرزندو! خلق خدا کو گمراہ کرنے کے فن میں تم نے میرے بھی کان کتر لئے!

قریش کی انتہائی بدبختی پر اظہار افسوس

یہاں قریش اور ان کے متکبرین کو ابلیس اور اس کی ذریت کی اسی پشتینی عداوت کو یاد دلا کر ان کے حال پر افسوس کیا گیا ہے کہ تمہاری بدبختی کی انتہا ہے کہ تم نے ابلیس اور اس کی ذریت کو تو اپنا مرجع اور کارساز بنایا اور خدا کو چھوڑ بیٹھے۔ پھر ان سے منہ پھیر کر فرمایا کہ کیا ہی برا بدل ہے جس کو خدا کی جگہ ان ظالموں نے اپنے لئے اختیار کیا!

یہاں وہ بات یاد رکھنی چاہیئے جس کا ذکر ہم سورہ انعام کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ مشرکین عرب جنات کو مختلف شکلوں میں پوجتے تھے۔ وہ ہر وادی اور ہر پہاڑ کے الگ الگ جن اور بھوت مانتے اور ان کی آفتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے ان کی جے پکارتے اور ان کو نذرانے اور چڑھاوے پیش کرتے۔ بعض جن تو اتنے خطرناک سمجھے جاتے کہ ان کو راضی رکھنے کے لئے بدقسمت لوگ اپنی اولاد تک کی قربانی پیش کرتے۔ ان کا وہم یہ تھا کہ اگر اس جن کو اپنی کسی اولاد کی قربانی دے کر راضی نہ رکھا گیا تو وہ ساری اولاد کو چٹ کر جائے گا۔

قرآن نے اس آیت میں یہ یاد دلا کر کہ ابلیس جنوں میں سے تھا مشرکین کو غیرت دلائی ہے کہ بے شرمو! جن کے مورث اعلیٰ نے تمہارے جد اعلیٰ کے ساتھ یہ کچھ دشمنی کی تم ان کے یوں مرید اور نیاز مند بن کے رہ گئے ہو!

شامت زدگی کی آخری حد

'بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا' میں 'ظالمین' سے مراد مشرکین ہیں۔ یہ جملہ اظہار تعجب اور اظہار افسوس کا ہے کہ ان ظالموں نے خدا کا بدل بھی ڈھونڈا تو اپنے باپ اور ان کی ذریت کے ابدی دشمن کو! یہ شامت زدگی کی آخری حد ہے!

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪
وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۵۱

طنزیہ اسلوب بیان

اس آیت کا اسلوب بیان طنزیہ ہے یعنی ان شیاطین کو اس فیاضی کے ساتھ میری خدائی اور میرے حقوق میں شریک بنا دیا گیا ہے حالانکہ نہ میں نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرتے وقت ان کو بلایا کہ ذرا اس مہم میں میری مدد کریں اور نہ خود انہی کو پیدا کرتے وقت ان کو دعوت دی کہ ذرا اس کام میں

میرا ہاتھ بٹایا اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنانے کا روادار تھا۔ لیکن آج یہ میری خدائی میں اس طرح شریک بنا دیئے گئے ہیں کہ گویا یہ سارے کارنامے انہی کے انجام دیئے ہوتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۵۲

"موبق" کے معنی ہلاکت کا کھڈ، تباہی کا گڑھا۔

([illegible] کا دن)

یہ اس دن کی محرومی کو یاد دلایا ہے جس دن وہ ان مشرکین سے فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک مانتے رہے ہو اب ان کو اپنی مدد کے لئے پکارو چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے لیکن وہ کوئی جواب نہ دیں گے اس لئے کہ ان کو خود اپنی پڑی ہوگی۔ وہ دوسروں کے قضیئے کیا نبیڑیں گے۔ فرمایا کہ ان کے درمیان ایک تباہی کا کھڈ حائل ہوگا، نہ یہ ان کے پاس جا سکیں گے اور نہ وہ ان کے پاس پہنچ سکیں گے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۵۳

(بے بسی کی تصویر)

اور یہ مجرم کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ سامنے جہنم تیار ہے اور اب لازماً ان کو اسی میں گرنا ہے لیکن وہ اس سے کوئی مفر نہیں پائیں گے یہ ان کی بے بسی کی تصویر ہے کہ آنکھوں دیکھتے وہ اس جہنم میں گریں گے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۵۴

('مثل' سے مراد)

'مثل' سے مراد یہاں عالم غیب اور آخرت کے وہ حقائق ہیں جو تمثیل کے رنگ میں اوپر لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے سنائے گئے ہیں اور 'انسان' سے مراد وہی جھگڑالو مخاطب ہیں جن سے یہاں بحث چل رہی ہے لیکن ان سے بیزاری کے اظہار کے لئے بات عام صیغہ سے کہہ دی گئی ہے۔

فرمایا کہ ہم نے تو لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ہر قسم کی تنبیہات اس قرآن میں گوناگوں پہلوؤں سے بیان کر دی ہیں لیکن انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ وہ ان سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی نہ کوئی پہلو اعتراض کا ڈھونڈھ ہی لیتا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۵۵

'النّاس' سے مراد یہاں بھی وہی لوگ ہیں جن سے بحث چل رہی ہے اور 'قبلاً' کے معنی سامنے اور رو در رو کے ہیں۔

عذاب یا عذاب آسمانی کی طلب

مطلب یہ ہے کہ قرآن نے تو ہر قسم کی تنبیہات سنا دی ہیں، کوئی چیز مخفی نہیں رہ گئی ہے، لیکن جو لوگ حقیقت سے گریز کرنا چاہتے ہیں وہ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈھ ہی لیتے ہیں۔ اب ان لوگوں کا یہ مطالبہ ہے کہ یا تو ان پہ اسی طرح کی تباہی آ جائے جس طرح کی تباہی پچھلی قوموں پہ آئی اور جس سے قرآن ڈرا رہا ہے یا کم از کم یہ کہ عذاب سامنے سے آتا دکھائی دے اور وہ اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیں اس کے بغیر وہ اس ہدایت پہ ایمان لانے اور توبہ و استغفار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ قرآن ان کے آگے مائدہ آسمانی بچھا رہا ہے لیکن یہ قہر آسمانی کے طلب گار ہیں۔ ایسے شامت زدوں کا بھلا کیا علاج! ان کو معلوم نہیں ہے کہ جب عذاب الٰہی نمودار ہو جائے گا تو وہ صرف دیدار کرکے واپس نہیں چلا جائے گا بلکہ ان کا کچومر نکال کر رکھ دے گا تو اس کے بعد یہ کس چیز پہ ایمان لائیں گے؟

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَا
اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۵۶

رسولوں کی بعثت کا مقصد

یہ اوپر والے مطالبہ عذاب کا جواب ہے فرمایا کہ ہم رسولوں کو عذاب لانے کے لئے نہیں بھیجا کرتے بلکہ صرف انذار و تبشیر کے لئے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ کافروں کو عذاب سے خبردار کریں اور ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دے دیں۔ ان سے عذاب اور قیامت کو دکھا دینے کا مطالبہ کرنا ایک بالکل بے تکی بات اور حق کو باطل کے ذریعے سے پسپا کرنے کے ہم معنی ہے۔ جو لوگ یہ شرارت کر رہے ہیں، انہوں نے عذاب اور قیامت کی حقیقت نہیں سمجھی ہے۔ انہوں نے ہماری تنبیہی آیات اور خدا کی پکڑ کو مذاق بنا لیا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا
قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ
وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ۵۷

بدقسمتوں کے حال پر اظہار افسوس

یہ ان بدقسمت لوگوں کی حالت پر افسوس کیا ہے کہ اپنی جانوں پہ ان سے بڑھ کر ظلم ڈھانے والا کون ہو سکتا ہے جن کو آیات الٰہی کے ذریعے سے یاددہانی کی جائے لیکن وہ اس سے نفع اٹھانے کے بجائے ان کو ٹھکرائیں اور عذاب کا مطالبہ کریں اور نہ یہ سوچیں کہ جو اعمال انہوں نے کئے ہیں ان کی بنا پہ وہ ہر

وقت عذاب الٰہی کے سزاوار ہیں۔ اگر ان کو مہلت مل رہی ہے تو محض خدا کی رحمت کے سبب سے مل رہی ہے۔

ختم قلوب کی سزا

فرمایا کہ یہ اپنی کرتوتوں کے سبب سے ختم قلوب کے سزاوار ہو چکے ہیں اس وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے کہ وہ اس کو نہ سنیں گویا اصل تالیف کلام یوں ہوگی۔ ' اَکِنَّةً مِنْ اَنْ یَّفْقَهُوْا وَ فِیْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا مِنْ اَنْ یَّسْمَعُوْهُ ' عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق ' اَنْ ' سے پہلے ' مِنْ ' یا ' کَرَاهِیَة ' کا لفظ محذوف ہو گیا اور تقابل کے اصول پر ' فی اذانهم وقرا ' کے بعد ' ان یسمعوہ ' کے الفاظ حذف ہو گئے۔

' وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْا اِذًا اَبَدًا ' ظاہر ہے کہ جب خدا کے قانون سے ان کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں اور ان کے کان جپاٹ ہو چکے ہیں تو اب تم ان کو لاکھ اللہ کی آیات سناؤ وہ ہدایت قبول کرنے والے نہیں بن سکتے اب ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو اور صبر کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو تاآنکہ ان پر اچھی طرح حجت تمام ہو جائے۔

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ
الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۵۸

مجرموں کو مہلت دینے کی حکمت

' موئل ' کے معنی پناہ کی جگہ کے ہیں۔ اب یہ سبب بتایا جا رہا ہے اس بات کا کہ جب یہ ایسے نابکار لوگ ہیں کہ یہ کبھی ہدایت قبول کرنے والے نہیں ہیں تو آخر ان کو بار زمین بنائے رکھنے سے فائدہ کیا؟ کیوں نہ ان کے اوپر وہ عذاب بھیج کر جس کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں ان کو ختم ہی کر دیا جائے۔ فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے اس وجہ سے وہ مجرموں کو بھی انتہائی حد تک مہلت دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ ان کو فوراً پکڑنا چاہے تو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑ لے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں بن سکتا۔ لیکن اللہ جلدی نہیں کرتا بلکہ اس نے ان کی گرفتاری کے لئے ایک وقت ٹھہرا رکھا ہے جب وہ آ جائے گا تو یہ اس سے کہیں نہیں بھاگ سکیں گے۔

وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۵۹

تاریخ کی شہادت

یہ اوپر والی بات پر تاریخی شہادت کی طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ سامنے ان قوموں کی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ان کے ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دیا۔ یہ ان کی بستیوں پر سے اپنے سفروں میں گزرتے ہیں ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے بھی ایک وقت مقرر کیا تھا چنانچہ جب وہ آ گیا تو وہ تباہ کر دی گئیں۔

مطالعہ قرآن
اسرار احمد

مرتبۂ صدّیقیت (۲)

حضرات منعَم علیہم کے مراتبِ چہارگانہ کے پس منظر میں

(سلسلہ کلام کے لئے دیکھئے قسط اوّل شائع شدہ فروری ۱۹۷۲ء)

قرآن حکیم کی روشنی میں مرتبۂ صدّیقیت کے تعین اور حضرات صدّیقین کے اوصاف و خصائص کے تفصیلی مطالعے سے قبل یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ صدّیقیت بھی نبوّت اور رسالت کی طرح قرآن حکیم کی ایک مستقل اصطلاح ہے اور جس طرح نبوّت ایک حقیقتِ معنوی ہے جس کا مصداقِ ظاہری خارج میں ہونا ضروری ہے اسی طرح صدّیقیت کا مصداقِ خارجی بھی لازمی ہے۔

لہذا اگر کسی کے ذہن میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسا کوئی خیال یا گمان موجود ہو کہ شاید صدیقیت ایک بعد کا گھڑا ہوا خطاب یا القاب ہے جو محض خوش عقیدگی یا حسنِ ظن کی بنیاد پر حضرت ابو بکر رضؓ کو عطا کر دیا گیا تو اسے اس سے تائب ہونا لازم ہے اس لئے کہ یہ ایک مغالطہ ہی نہیں، بہت بڑی گمراہی ہے اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یعنی یہ کہ نبوّت اور رسالت کی طرح صدیقیت اور شہادت بھی قرآن حکیم کی مستقل اصطلاحات ہیں اور جس طرح ان کے مصداق خارج میں موجود ہیں اسی طرح ان کے مصداق بھی موجود ہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے آغاز میں عرض کیا تھا، جس طرح مقام نبوّت اور مرتبۂ رسالت کا مظہر اتم ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مقام صدّیقی اور مرتبۂ صدّیقیت کا مصداق کامل ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ و ارضاہٗ۔

منعَم علیہم کے چار گروہ

اس سلسلے کی اہم ترین آیت سورۂ نساء کی آیت ۶۹ ہے جس میں نوعِ انسانی کے وہ خوش قسمت افراد جو انعام یافتہ یا منعَم علیہم کہلانے کے مستحق ہیں، چار گروہوں میں منقسم قرار دیئے گئے ہیں یعنی: انبیاء کرام، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔ فرمایا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

اور جو اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی تو انہیں معیت حاصل ہوگی ان کی جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدّیقینؓ، شہداء اور صالحین اور بہت ہی اچھے ہیں یہ لوگ بحیثیت رفیق!

یہ آیۂ مبارکہ اس اعتبار سے انتہائی اہم ہے کہ اس میں سورۂ فاتحہ کے ایک اجمال کی تفصیل ہے اور سورۂ فاتحہ ہماری سب سے بڑی عبادت یعنی نماز کا جزوِ لازم ہے بلکہ ایک حدیثِ قدسی کی رو سے عینِ نماز ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کا خاتمہ ایک دعا پر ہوتا ہے جس میں ہم اپنے رب سے استدعا کرتے ہیں: "اے رب ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش!" اور پھر اس سیدھے راستے کی مزید وضاحت کے ضمن میں عرض کرتے ہیں "ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام فرمایا ... (الی الآخر)" ——— یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ منعمٌ علیہم لوگ کون ہیں؟ اسی سوال کا جواب ہے جو سورۂ نساء کی محولہ بالا آیت میں دیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ انعام یافتہ لوگ چار گروہوں پر مشتمل ہیں: انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین۔

اس آیۂ کریمہ سے جہاں منعم علیہم کی چار گروہوں میں تقسیم واضح ہوئی وہیں یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان کے مابین ترتیب[1] مراتب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نوعِ انسانی میں بلند ترین مرتبہ و مقام کے حامل تو، بلا اشتباہ ریب و شک حضراتِ انبیاء ہیں، علیہم الصّلوٰۃ والسّلام۔ ان کے متصلاً بعد مقام اور مرتبہ ہے صدّیقین کرام کا، ان کے بعد ہیں حضراتِ شہداء اور سب سے آخر میں ہیں عام مومنین صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، گویا اس آیۂ کریمہ میں حضرات منعمٌ علیہم کا ذکر مرتبہ و مقام کے اعتبار سے نزولی ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے۔

نبوّت اور صدّیقیت

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ مرتبۂ صدّیقیت مقام نبوّت کے متصلاً بعد اور اس کے بہت قریب واقع ہوا ہے تو اس کی شہادت قرآن حکیم کے بہت سے دوسرے مقامات سے بھی حاصل ہوتی ہے مثلاً

۱۔ قرآن حکیم میں حضرت مریم سلام علیہا کو صراحتہً "صِدّیقہ" کا خطاب دیا گیا (سورۂ مائدہ آیت ۷۵) اب اگر ان کے اس مقام اور مرتبہ کو پیش نظر رکھا جائے جو قرآن مجید کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
(سورۂ نساء آیت ۴۲)

اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک کر دیا ہے اور تجھے منتخب فرما لیا ہے تمام جہانوں کی خواتین میں سے۔

---

[1] ع "گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!"

اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی سامنے رہے کہ نبوّت کا دروازہ نوعِ انسانی کی صنفِ نازک پر بند رہا ہے تو یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ بعد از نبوّت افضل ترین مرتبہ صدّیقیت کا ہے اور اعلیٰ ترین مدارج و مقامات صدّیقین اور صدّیقات کو حاصل ہیں !

۲۔ سورۂ یوسف ہی میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے زنداں کے ساتھیوں نے "صدّیق" کہہ کر مخاطب کیا (سورۂ یوسف : آیت ۴۶) اب ظاہر ہے کہ یہاں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو اسے صرف زنداں کے ان ساتھیوں ہی کا کلام قرار دیا جائے اس صورت میں بھی اس عظیم حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ نبی کی شخصیت کا نمایاں ترین وصف 'صدق' ہی ہے اور جن لوگوں پر ابھی نبی کی نبوّت منکشف نہیں ہوئی ہوتی وہ اسے 'صدّیق' ہی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو قبل از اجرائے وحی اہلِ مکہ نے "الصادق" ہی کا خطاب دیا تھا ——— یا دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ زنداں کے ساتھیوں کا کلام اللہ تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں (گویا INDIRECTLY) نقل فرمایا ہے۔ اس صورت میں واحد ممکن تاویل یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام پر وحیِ نبوّت کا اجرا نہیں ہوا تھا اور ابھی آنجناب صرف صدّیقیت کے مقام پر فائز تھے ——— بہرصورت مقامِ صدّیقیت اور مرتبۂ نبوّت کا قرب اظہر من الشمس ہے !

۳۔ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو جلیل القدر انبیاء یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت ادریس علیٰ نبیّنا و علیہما الصّلوٰۃ والسّلام کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا (آیات ۴۱ و ۵۶)

اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا ۝ بے شک وہ صدّیق نبی تھا !

جس سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ مقامِ صدّیقیت اور مرتبۂ نبوّت ایک دوسرے سے بہت قریب واقع ہوتے ہیں بلکہ صدّیقیت نبوّت کی تمہید ہے اور نبوّت صدّیقیت کی اگلی منزل !

صدّیقین اور شُہداء

منعَم علیہم کے مراتب چہارگانہ میں سے نبوّت تو ظاہر ہے کہ ہے ہی خالص وہبی یعنی پہلے بھی صرف ذاتی قابلیت و صلاحیت اور محنت و ریاضت سے حاصل نہیں کی جا سکتی تھی بلکہ جسے بھی ملتی تھی خالص عطیۂ الٰہی اور فضلِ خداوندی ہی کے طور پر ملتی تھی اور اب تو اس کا دروازہ سرے سے ہی بند ہے، البتہ صدّیقیت اور شہادت[1] کے مراتب عالیہ پہلے بھی کھلے تھے اور اب بھی نہ "مقطوعہ" ہیں نہ "ممنوعہ" بلکہ مومنین صالحین اپنی ہمّت اور محنت کے مطابق اور مزاجِ شخصی و افتادِ طبعی کی مناسبت سے ان مراتبِ عالیہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں گویا بقول جگرؔ :

ع پھونکی کھلے ہیں گلشن گلشن لیکن اپنا اپنا دامن !!

یہی وہ حقیقت ہے جو سورۂ حدید کی آیت ۱۹ میں بیان ہوئی ہے اور جس کے بارے میں بہت سا قیل و قال

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

صرف اس لئے ہؤا کہ سیاق کلام اور ربطِ آیات پیشِ نظر نہیں رہا، چنانچہ جب سلسلہ کلام سے صرف نظر کرتے ہوئے نگاہ صرف اس ایک آیت کے الفاظ پر مرتکز ہو گئی کہ :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ	اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، تو یہی ہیں صدیق اور شہدا اپنے رب کے نزدیک۔

تو ایک الجھن پیدا ہو گئی کہ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مومن صدیق اور شہید ہے جبکہ یہ بات بالبداہت غلط معلوم ہوتی ہے چنانچہ اس اشکال کے حل کی کوششیں کی گئیں اور بہت سی آراء اور بے شمار اقوال کا ذخیرہ کتبِ تفسیر میں جمع ہو گیا حالانکہ اگر سیاق کلام پر نگاہ رکھی جائے تو یہاں کوئی اشکال یا الجھن سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

دراصل اس آیت کے صحیح فہم کے لئے اس سے پہلے کی تین آیات اور ان کے باہمی ربط کو سمجھنا ضروری ہے وَہُوَ ہٰذا :

آیت نمبر ۱۶ میں اہل ایمان (گویا عام مومنین صالحین) کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ کس تاخیر و تعویق میں پڑ گئے ہو اور کیوں قدم آگے نہیں بڑھاتے ؟ اور متنبہ کیا گیا ہے کہ مبادا تم بھی یہود کے مانند ہو جاؤ جن کے دل امتدادِ زمانہ سے سخت ہوتے چلے گئے اور اب ان کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے گویا یہ آیت زجر و تہدید اور تنبیہ و ترہیب پر مشتمل ہے۔

آیت نمبر ۱۷ میں، قرآن حکیم کے عام اسلوب کے مطابق ترغیب و تشویق کا اسلوب ہے اور حوصلہ بندھایا گیا ہے کہ اگر تم اپنے دلوں میں سختی محسوس کرو تب بھی مایوس مت ہونا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد حیاتِ تازہ عطا فرما دیتا ہے اسی طرح تمہاری کشتِ قلوب کو بھی حیاتِ نو عطا فرما دے گا اور تمہارے

لہ (حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ) واضح رہے کہ اس پوری بحث میں شہادت کا لفظ عام معروف معنوں میں استعمال نہیں ہؤا بلکہ قرآن حکیم کی ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہؤا ہے۔ عجیب بات ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی شہادت کا لفظ خدا کی راہ میں قتل ہونے کے معنی میں استعمال نہیں ہؤا۔ اور سوائے ایک مقام کے کہیں بھی شہید کے معنی مقتول فی سبیل اللہ نہیں لئے جا سکتے۔ وہ ایک استثنائی مقام سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۰ ہے اور یہاں بھی جہاں شہدا کے معنی مقتولین فی سبیل اللہ لینے کی گنجائش ہے وہاں اتنی ہی گنجائش عام اصطلاحی معنوں کی بھی ہے بہرحال اس بحث میں لفظ شہادت اپنے مخصوص اصطلاحی معنوں میں مستعمل ہے !

دلوں کی کھیتی پھر ایمانِ حقیقی کی ہری بھری فصل سے لہلہا اٹھے گی!

اگلی آیت میں گویا "سلوکِ قرآنی" کی وضاحت کر دی گئی اور اس عمل تزکیہ کی نشاندہی کر دی گئی جس سے کشتِ قلوب میں ایمان کی فصلِ تازہ کی امید کی جاسکتی ہے لیعنی یہ کہ اگر دلوں کی کھیتی میں تازہ بہار چاہتے ہو تو پہلے اس میں صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کا ہل چلاؤ اور حبّ دنیا اور حبّ مال کی نجاستوں سے دلوں کو پاک کرو اس لئے کہ اصل میں یہی تمہاری ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ اور تمہاری فطری استعدادات کے بروئے کار آنے میں سب سے بڑا مانع ہے۔

بعدہٗ آیت ۱۹ میں واضح فرما دیا کہ اگر یہ مورچہ تم نے سر کر لیا اور یہ منزل طے کر لی تو پھر کوئی رکاوٹ نہیں، اب ترقی کا راستہ بالکل کھلا ہے اور تم اپنی اپنی ہمّت اور محنت کے مطابق اور اپنے اپنے مزاج اور افتادِ طبع کی مناسبت سے صدّیقیت یا شہادت کے مراتبِ عالیہ تک رسائی حاصل کر سکتے ہو۔

گویا یہاں ربطِ کلام وہی ہے جو سورہ بلد میں۔ وہاں اسی مورچے یا منزل کو ایک دشوار گزار گھاٹی[1] سے تشبیہ دی گئی ہے اور نہایت تاسف اور حسرت کے پیرائے میں فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ ہم نے انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی استعدادات سے نواز کر دنیا میں بھیجا، چنانچہ اسے "عَیۡنَیۡنِ" بھی دیئے اور "لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ" بھی اور پھر درجہ بدرجہ نوعی، جبلّی اور فطری ہدایتوں سے بھی نوازا تا آنکہ "هَدَیۡنٰهُ النَّجۡدَیۡنِ" کی منزل بھی طے کرا دی لیکن یہ کم ہمّت اور تھڑدلا اس گھاٹی میں نہ گھس پایا! جانتے ہو کون سی گھاٹی؟ "کسی گردن کا چھڑا دینا یا کھانا ہی کھلا دینا، قحط کے ایام میں، کسی یتیم کو جو قرابت دار بھی ہو یا مسکین کو جو خاک میں رل رہا ہو!" (کاش کہ کر پاتا وہ اس گھاٹی کو عبور!) اور پھر جا شامل ہوتا ان نفوسِ قدسیہ میں جو ایمان، تواصی بالصّبر اور تواصی بالمرحمہ ایسے اوصافِ جلیلہ سے متصف ہیں —— فرق صرف یہ ہے کہ سورۂ بلد میں درمیان میں کلمہ "ثُمَّ" آ گیا جس نے ربطِ کلام کو واضح کر دیا جبکہ سورۂ حدید میں اس کی جگہ پر صرف حرفِ عطف "وَ" آیا جس سے ربطِ کلام قدرے مخفی ہو گیا!

بہر حال سورۂ حدید کی آیت ۱۹ سے یہ حقیقت بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ثابت ہو گئی کہ "صدّیقین" اور "شہداء" قرآن حکیم کی مستقل اصطلاحات ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہی وہ بلند ترین مقامات ہیں جن تک اکتسابًا رسائی ممکن ہے!

---

[1] پنجابی زبان کے ایک شاعر عبداللہ شاکر کی ایک طویل نظم کے ترجیعی بند کے یہ الفاظ اس مضمون کو خوب ادا کرتے ہیں کہ ع

اوکھی گھاٹی مشکل پینڈا عشق دیاں اسواراں دا

مزاج اور افتادِ طبع کا فرق

اس معاملے میں مزید انشراحِ صدر کے لئے مناسب ہے کہ منعم علیہم کے مراتب چہارگانہ کے باہمی ربط و تعلق کو نفسیاتِ انسانی کی گہرائیوں میں اتر کر سمجھ لیا جائے اور طبائع کے فطری فرق اور مزاج و افتاد اور رجحانِ طبعی اور میلانِ نفسی کے فطری اختلاف کے حوالے سے قرآن حکیم کی ان چار اصطلاحوں کا گہرا فہم حاصل کر لیا جائے۔

ذرا دقتِ نظر سے مشاہدہ کیا جائے تو تمام انسان مزاجِ شخصی، افتادِ طبعی اور فطری رجحانات و میلانات کے اعتبار سے دو گروہوں میں منقسم نظر آئیں گے:

ایک وہ نسبتاً خاموش، تنہائی پسند، ذہین، حساس، سنجیدہ اور متفکر المزاج لوگ جو خارج کی دنیا سے زیادہ اپنے باطن میں مگن رہتے ہیں اور باہر کی دنیا اور اس کی دلچسپیوں سے زیادہ انہیں خود اپنے ہی دل و دماغ کی گہرائیوں میں غوطہ زنی محبوب ہوتی ہے گویا وہ "تن کی دنیا" سے کہیں زیادہ "من کی دنیا" کے باسی ہوتے ہیں۔

اور دوسرے وہ خوش باش، بے فکرے، چست، فعال اور لاابالیانہ طبیعت کے حامل بلکہ نٹ کھٹ قسم کے لوگ جن کی اصل دلچسپی خارج کی دنیا سے ہوتی ہے اور وہ اس میں پوری طرح مصروف اور مگن رہتے ہیں۔ غور و فکر سوچ بچار اور تفکر و اعتبار سے انہیں طبعاً کوئی مناسبت ہی نہیں ہوتی اس کے برعکس انہیں یا تو کھیل کود کا شوق ہوتا ہے یا سیر و شکار کا یا شہ زوری اور پہلوانی کا!

پہلی قسم کے لوگوں کو نفسیات جدیدہ کی اصطلاح میں ENTRO-VERT کہتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگوں کو EXTRA-VERT۔ فطری طور پر پہلی قسم کے لوگوں کے قوائے فکریہ بہت مضبوط اور ترقی یافتہ (DEVELOPED) ہوتے ہیں جبکہ قوائے عملیہ نسبتاً خوابیدہ (DORMANT) رہ جاتے ہیں اور اس کے برعکس دوسری قسم کے لوگوں کے قوائے فکریہ دبے رہ جاتے ہیں جبکہ قوائے عملی پوری شان کے ساتھ نشو و نما پاتے ہیں۔

ان دو کے علاوہ انسانوں کی ایک تیسری قسم جو بہت شاذ ہے، ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کے قوائے فکری بھی نہایت بیدار اور ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور قوائے عملیہ بھی پورے چاق و چوبند اور کامل نشو و نما یافتہ ہوتے ہیں اور ان دونوں کے مابین ایک حسین توازن بھی موجود ہوتا ہے۔ انہیں جدید نفسیات کی اصطلاح میں (AMBI-VERT) کہا جاتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اصلاً یہی لوگ حاصلِ نوعِ انسانی ہیں ایسے لوگ اوّل تو ہوتے ہی بہت کم ہیں اور ان میں بھی وہ لوگ تو بالکل معدوم ہی کے حکم میں ہیں جن کے قوائے فکری و عملی میں کامل توازن موجود ہو! غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بھی کسی میں پہلا رنگ قدرے نمایاں تر ہوتا ہے اور کسی میں دوسرا۔

ان تینوں میں سے اعلیٰ ترین رتبہ تو ظاہر ہے کہ قسم ثالث کے لوگوں کا ہے ان کے بعد نمبر قسم اوّل کے لوگوں کا ہے اس لئے کہ انسان حیوانات سے ممتاز بہرحال اپنے قوائے فکری و عقلی ہی کی بنا پر ہے اور تیسرے درجے میں دوسری قسم کے لوگ ہیں جو فعال تو اگرچہ بہت ہوتے ہیں لیکن غور و فکر اور سوچ بچار کم کرتے ہیں۔

حضرات منعم علیہم میں سے صدیقین پہلی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور شہداء دوسری قسم کے۔

حضرات صدیقین ابتدا ہی سے طبع سلیم کے مالک ہوتے ہیں جو عبارت ہے عقل صحیح اور قلب سلیم دونوں کے مجموعے سے۔ چنانچہ ایک طرف ان کی اخلاقی حس شروع ہی سے زندہ و بیدار ہوتی ہے اور نہ صرف یہ کہ خیر و شر، نیکی و بدی اور ظلم و جور اور عدل و انصاف کا فرق ان پر واضح رہتا ہے بلکہ ان کی طبیعت کا فیصلہ کن میلان جانب خیر اور سمتِ عدل و ادائے حقوق ہی میں رہتا ہے اور دوسری طرف ان پر تعقّل و تفکّر کا غلبہ بھی ابتدا ہی سے ہوتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جستجوئے حق اور اکتشافِ حقیقت کا ایک زوردار داعیہ ان کے نفوس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک جانب ان کی عقلِ سلیم کتابِ فطرت اور صحیفۂ کائنات کے مطالعے سے حقائقِ کونیہ کے عین در پہ جا دستک دیتی ہے تو دوسری جانب انہیں اپنے آئینۂ قلب میں حقیقتُ الحقائق کا دھندلا سا عکس بھی نظر آنے لگتا ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ جونہی کسی نبی کی دعوت ان کے کانوں میں پڑتی ہے وہ والہانہ لبیک کہتے ہوئے دوڑ پڑتے ہیں، اور انہیں بالکل ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا!
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا!

اس کے برعکس حضراتِ شہداء کے قلوب و اذہان پر ابتداءً ان کے رجحاناتِ طبعی اور میلاناتِ نفسی کے باعث ایک غلاف سا چڑھا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں نبی کی دعوت پر لبیک کہنے میں دیر لگ جاتی ہے۔ یہ تاخیر اصلاً تو صرف بے توجہی اور لاابالی پن کے باعث ہوتی ہے لیکن ان میں سے بعض اپنے آبائی تعصّبات کے باعث شروع میں نبی کی مخالفت اور مزاحمت میں حد درجہ سرگرم بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے قلوب و اذہان کا غلاف بھی اکثر و بیشتر کسی عقلی یا استدلالی دلیل سے نہیں بلکہ جذباتی انگیخت ہی سے پھٹتا ہے۔ لیکن پھر ہوتا یہ ہے کہ جیسے ہی اس غلاف میں شگاف پڑتا ہے گویا سارا فاسد مواد ایک دم خارج ہو جاتا ہے اور دعوتِ حق کو قبول کرنے کے بعد جب وہ برسرِ عمل ہوتے ہیں تو اپنے فطری جوشِ عمل اور جذبۂ کار کے باعث بظاہر صدیقین پر بھی بازی لے جاتے ہیں اور حضرتِ مسیحؑ کے ان الفاظ کا مصداق کامل بن جاتے ہیں کہ: "کتنے ہی ہیں جو بعد میں آتے ہیں لیکن اگلوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں!" ـــــ یہ عرض کرنا تحصیلِ حاصل ہے کہ فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں کم از کم بظاہر احوال حضراتِ شہداء ہی انبیاء کرام کے اصل دست و بازو نظر آتے ہیں۔

کبارِ صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ صدیقیتِ کاملہ کی نہایت درخشاں مثالیں ہیں اور حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ طبقۂ شہداء کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں!

جہاں تک حضرات منعمٌ علیہم کے چوتھے گروہ کا تعلق ہے یعنی حضراتِ صالحین تو یہ وہ عامۃ المومنین ہیں جن میں استعداد اور صلاحیت تو موجود ہوتی ہے لیکن ابھی اُس کا کوئی نمایاں ظہور کسی خاص رُخ پہ نہیں ہوا ہوتا۔ مزاج اور افتادِ طبع کے اعتبار سے ان میں پہلی دونوں ہی قسموں کے لوگ موجود ہوتے ہیں گویا ان میں بالقوۃ (POTENTIALLY) تو صدیقین بھی ہوتے ہیں اور شہداء بھی۔ لیکن ابھی وہ ترفع انہیں بالفعل (ACTUALLY) حاصل نہیں ہوا ہوتا البتہ اگر وہ اپنی ہمت کو مجتمع کرکے محنت کریں اور خصوصاً حبّ دنیا کی نجاست سے اپنے دل کو پاک کرلیں جس کا سب سے بڑا عَلَم اور نشان (SYMBOL) حبِّ مال ہے تو جیسا کہ سورہ حدید کی آیات ۱۶ تا ۹ اور سورہ بلد کے حوالے سے مفصل بیان کیا جا چکا ہے وہ اپنے مزاج اور افتادِ طبع کی مناسبت سے صدیقیت یا شہادت کے مراتبِ عالیہ تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ یعنی جن لوگوں کو بالفعل ترفع حاصل ہوجاتا ہے وہ اگر قسمِ اوّل سے تعلق رکھتے ہوں تو زمرۂ صدیقین میں شامل ہوجاتے ہیں اور اگر طبقۂ ثانیہ سے ہوں تو حلقۂ شہداء میں شریک ہوجاتے ہیں۔ یہاں ضمنی طور پر یہ بھی سمجھ لیا جائے تو اچھا ہے کہ اہل تصوّف کی اصطلاح میں پہلی قسم کے لوگ سالک مجذوب کہلاتے ہیں اور دوسری قسم کے لوگ مجذوب سالک!

رہے انبیاءِ کرام تو اگرچہ نبوت ایک خالص وہبی اور عطائی ملکہ ہے اور اللہ جسے چاہے یہ نعمتِ عظمیٰ عطا فرما دے تاہم بفحوائے آیہ قرآنی " اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ " (سورۂ انعام آیت ۱۲۴: اللہ بہتر جانتا ہے کہاں رکھے اپنی رسالت!) ان کا انتخاب قسمِ ثالث کے لوگوں ہی میں سے ہوتا ہے جن کی عقلی وفکری قوتیں بھی انتہائی بلندیوں کو چھُو رہی ہوتی ہیں اور عمل وعمل کی قوتیں بھی پورے جوبن پہ ہوتی ہیں اور پھر ان دونوں کے مابین ایک حسین توازن بھی موجود ہوتا ہے۔ گویا ہر نبی اپنے مزاج کے اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے صدیق بھی ہوتا ہے اور شہید بھی۔ اگرچہ ان دونوں اجزائے ترکیبی کی کسی ذاتِ واحد میں بیک وقت بتمام وکمال موجودگی حد درجہ شاذ بلکہ حقیقتاً کالمعدوم کے حکم میں ہے۔ چنانچہ جن انبیاء ورُسل کے حالات تفصیل سے معلوم ہیں ان میں ان دونوں قوتوں کی بیک وقت بتمام وکمال موجودگی اور پھر ان کے مابین کامل توازن کی مثال تو ایک ہی ہے اور وہ ہے ذاتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ باقی تمام حضرات بھی اگرچہ اپنے اپنے مقام پہ نہایت جامع الصفات شخصیتوں کے مالک ہیں۔ تاہم کسی میں رنگِ صدیقیت نمایاں تر ہے جیسے حضرت ادریس، حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف اور کسی میں

رنگ شہادت زیادہ نمایاں تھے۔ جیسے حضرت نوح، حضرت اسمٰعیل اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

نبوّت و رسالت

یہاں اس حقیقت کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ نبوّت اور رسالت دو مختلف یا علیحدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ یہ بات تو صد فی صد درست ہے کہ نبوّت عام ہے اور رسالت خاص۔ یعنی ہر رسول تو لازماً نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی لازماً رسول نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی صد فی صد صحیح ہے کہ منکرین اور مخالفین پر فیصلہ کن غلبے کا وعدہ بھی صرف رسولوں سے ہے انبیاء سے نہیں۔ لیکن جس کسی نے یہ سمجھا ہے کہ رسالت مرتبہ و مقام کے اعتبار سے نبوّت سے بلند تر ہے اسے یقیناً مغالطہ ہوا ہے۔

نبوّت اور رسالت کے باہمی تعلق کو سرسری طور پر تو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ نبوّت ایک حیثیت یا رُتبہ (POSITION OR CLASS OR CADRE) ہے اور رسالت ایک عہدہ یا منصب (APPOINTMENT) ہے جیسے مثال کے طور پر سی ایس پی ایک حیثیت یا رُتبہ ہے اور کسی ضلع کی ڈپٹی کمشنری ایک عہدہ یا منصب ہے۔ جس کسی نے سی ایس پی کا امتحان پاس کر لیا اس کی ایک حیثیت متعیّن ہو گئی یہ مثال ہے نبوّت کی۔ اور جب اس کی تعیناتی کسی ضلع کے ڈی سی کی حیثیت سے ہو گئی تو یہ ایک منصب ہے جو اسے ملا۔ یہ مثال ہے رسالت کی[1]۔ اب ظاہر ہے کہ اصل اعتبار حیثیت کا ہے جو مستقل ہے نہ کہ منصب کا جو بدل بھی سکتا ہے۔

اور اگر اسی حقیقت کو مزید گہرائی میں سمجھنا ہو تو اہل تصوف کی اصطلاحات سے مدد لینی ہو گی نبوّت مرتبہ عروج میں ہے اور شامل ہے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ دونوں کو جبکہ رسالت مرتبہ نزول میں ہے اور عبارت ہے سیر عن اللہ الی اللہ سے۔ گویا نبوّت کا اصل رخ خدا کی جانب ہے اور یہ معراج ہے حیثیت عبدیت کی اور اس کے متصل واقع ہے مقام صدیقیت جبکہ رسالت کا اصل رُخ خلق کی جانب ہے اور اس کے قریب تر ہے مرتبہ شہادت —— مزید واضح الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ صدیقیت ظلّ ہے مقام نبوّت کا اور شہادت ظلّ ہے مرتبہ رسالت کا!

رسالت اور شہادت

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں رسالت اور شہادت کا ذکر اکثر لازم و ملزوم کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ جیسے :-

[1] یہی رمز ہے سورہ احزاب کی اس مشہور آیت کے اسلوبِ خطاب میں کہ " یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ ... الآیۃ

۱- اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ (سورۃ مزمل)	ہم نے بھیج دیا ہے تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر۔
۲- اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا (سورۃ احزاب)	ہم نے بھیجا ہے تمہیں گواہ بنا کر...
۳- لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ (الحج)	تاکہ ہو جائے رسول گواہ تم پر!
۴- وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (سورۃ بقرہ)	اور ہو جائے رسول تم پر گواہ!

گویا بعثت رسل کی اصل غرض و غایت بھی شہادت ہے اور کارِ رسالت کی نسبت باطنی بھی شہادت کی جانب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا، فرائض رسالت کی ادائیگی میں انبیاء کرام کے اصل دست و بازو حضرات شہداء ہی بنتے ہیں۔

اور یہیں سے سمجھ میں آ سکتا ہے تفسیر و تاویلِ قرآن کا وہ غامض نکتہ کہ کیوں سورۃ مریم میں دو جلیل القدر انبیاء کو تو، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا "صِدِّیقًا نَّبِیًّا" قرار دیا گیا اور دو ہی کو "رسُوْلًا نَّبِیًّا" کہا گیا۔ قرآن حکیم میں کوئی لفظ بے معنی نہیں اور کوئی ترکیب خالی از حکمت نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم ہی سرسری طور پر گزر جائیں اور "علاج تنگیٔ داماں" سے صرفِ نظر کر کے صرف "چند کلیوں پر قناعت" کی روش اختیار کر لیں۔ بات بالکل واضح ہے کہ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے مزاج میں رنگِ صدیقیت نمایاں ہے گو اور ان کا انتخاب صدیقین کے زمرے میں سے ہوا تھا لہٰذا وہ صدیقاً نبیاً قرار پائے اور حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مزاج میں رنگ شہادت نمایاں تر ہے جو اقرب اور انسب ہے مرتبہ رسالت سے پس وہ رسولاً نبیاً قرار پائے گویا ؎

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیو!
جو لفظ کہ غالبؔ مرے اشعار میں آوے

(جاری ہے)

آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

۱- سیرتِ صدیقیؓ کے عناصر ترکیبی سورۃ واللیل کی روشنی میں :	از قلم ڈاکٹر اسرار احمد
۲- واردات باطن اور فلسفۂ اقبال :	" سید نذیر نیازی
۳- قرآن اور سائنس :	" ڈاکٹر عبد البصیر پال
۴- عظمتِ قرآن اور ہم :	" سید مشکور حسین یاد

مولانا محمد حنیف ندوی

منطق استقرائی اور قرآن

یہ مقالہ قرآن کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۹۷۵ء لاہور میں پڑھا گیا

تعریف منطق ایسے فن سے تعبیر ہے جو فکر و استدلال کے ان پیمانوں اور جدولوں کی تعیین کرتا ہے جن کی مدد سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ دلائل و مقدمات میں کہاں جھول ہے کہاں مغالطہ کارفرمائیاں ہیں اور کہاں اشہبِ استنباط نے اخذِ نتائج میں ٹھوکر کھائی ہے۔

قدیم زمانہ سے اس کی تقسیم دو خانوں میں سمٹی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ ایک خانہ استخراج کا ہے اور ایک استقراء کا۔ اگر آپ کلیات کی روشنی میں جزئیات کو سمجھنا چاہتے ہیں تو آپ کو منطقِ استخراجی سے کام لینا پڑے گا۔ اور اگر جزئیات کے استیعابِ ممکنہ سے آپ کسی کلیہ یا حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تو اخذ نتائج کے اس اسلوب کو استقراء کہیں گے۔ یعنی اگر آپ سقراط کو اس بنا پر فانی ٹھہراتے ہیں کہ سقراط چونکہ انسان ہے اور ہر ہر انسان فانی ہے اس لئے سقراط کو بھی فانی ہونا چاہیئے تو یہ وہ طریق استدلال ہے جو منطق استخراجی کے نام سے موسوم ہے۔ اور اگر سقراط اس وجہ سے فانی ہے کہ آپ کے مشاہدہ نے جتنے بھی افراد انسانی کو دیکھا ان سب کو بالآخر فنا کے گھاٹ اترتے دیکھا اس لئے ضرور ہے کہ سقراط بھی موت اور فنا سے دوچار رہے تو جزئیات کا اس طور سے مشاہدہ و استدلال منطق استقرائی کی ترجمانی کرے گا۔

استدلال کی ان دونوں صورتوں میں اگرچہ نتیجہ ایک ہی برآمد ہوتا ہے تاہم استدلال کا منہاج دونوں میں مختلف ہے اوّل الذکر صورت میں آپ نے روشنی ایک کلیہ، دعویٰ اور تعریف سے حاصل کی اور ثانی الذکر صورت میں یہ روشنی براہ راست جزئیات کے مطالعہ و مشاہدہ سے حاصل ہوئی۔

منہاج کے اختلاف کے علاوہ دونوں کی تگ و تاز کے میدان بھی مختلف ہیں۔ منطق استخراجی کا

استعمال ما بعد الطبیعی مسائل میں تعریف، حدود اور مقدمات کی ان صورتوں میں ہوتا ہے جہاں بحث کی نوعیت یہ ہو کہ قضایا کی ترتیب میں کہیں سقم تو نہیں رہ گیا یا اخذِ نتائج میں کہیں لغزش تو پائی نہیں جاتی۔ اس کے برعکس طبیعی حقائق کے مطالعہ، چھان بین اور تحقیق میں یہ منطق کام نہیں دیتی۔ اس میدان میں استقرا ہی خم ٹھونک کر فکر و نظر کے سامنے آ پاتی ہے۔

منطقِ استخراجی کی اسی درماندگی نے عہدِ جدید کے فکر و دانش کے حلقوں کو مجبور کیا کہ استدلال کے اس فرسودہ طریق سے ہاتھ اٹھائیں اور استقرا و استیعابِ ممکنہ کے اس اسلوب کو آزمائیں جس کو مفید ظن کہہ کر ترک کر دیا گیا تھا تاکہ انسان کائنات کے بارے میں نئے حقائق سے آشنا ہو سکے۔

دونوں میں تقابل کی نوعیت

منطقِ استخراجی نے اگر استدلال کی زلف و کاکل کو سنوارا، مغالطات کی نشاندہی کی اور انسانی ذہن کی تشحیذ کا فرض انجام دیا تو منطقِ استقرائی نے اسرارِ کائنات کی گرہیں کھولیں، ایجادات کی راہیں ہموار کیں، اور انسان کو چاند پہ پہنچا دیا جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے زمان و مکان کا زندانی چلا آ رہا تھا۔

ہمارے مقالے کا موضوع یہی منطقِ استقرائی ہے جس نے انسان کی عظمتِ فکری کو چار چاند لگا دیئے اور بشرِ خاکی کو یہ حوصلہ بخشا کہ فطرت کے رازہائے درون پردہ کو یہ بے نقاب کر سکے۔ ہم اس مقالے میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں تک استقرا کی روح، غذا اور اسلوب کا تعلق ہے، بیکن وغیرہ سے بہت پہلے قرآن حکیم نے اس کی نشاندہی فرمائی اور منجملہ عظیم خوارق کے اس کا ایک خارقہ یہ بھی ہے۔ خود ستائی اور خطابت آرائی سے قطع نظر اس بہت بڑے دعوے کے اثبات کے سلسلہ میں ہمیں غور و فکر کے ان مرحلوں سے گزرنا ہو گا جن کو خود استقرا اخذِ نتائج کے لئے ضروری ٹھہراتی ہے۔

چار بنیادی سوال

اس بحث کا بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا قرآن حکیم کائنات کی معروضیت کو تسلیم کرتا ہے۔ کیا قرآن کے نقطۂ نظر سے اس کائنات میں نظم و ضبط کے قاعدے جاری و ساری ہیں جو ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے اور کیا قرآن فکر و استدلال کی عصمت و صحت کو برقرار رکھنے کے لئے واضح ہدایات دیتا ہے، ذہن کو چمکاتا اور سنوارتا ہے اور عقیدہ و اذعان پر بھروسہ کرنے کے بجائے دلیل اور فکر و تدبر پر زور دیتا ہے۔ اور بدرجہ آخر دریافت طلب یہ نکتہ رہ جاتا ہے کہ آیا قرآن فکر و تدبر کے رخوں کو جزئیات کی طرف موڑ دینے کی حمایت کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ ہم فطرت کی کرشمہ طرازیوں کو سمجھنے کی سعی بلیغ کریں۔

ان سوالات کا مثبت اور متعین جواب دیئے بغیر یہ دعویٰ ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا

کہ قرآن کی فیض رسانیوں نے اوّل اوّل استقراء کی اہمیتوں کو نکھارا اور متعین کیا۔ آیئے علی الترتیب ان سوالات پر تحقیقی انداز سے غور کریں۔

کیا یہ عالم معروضیت لئے ہوئے ہے؟

پہلے معروضیتِ عالم کے مسئلہ کو لیجئے۔ اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلام سے پہلے کے مذاہب اور فلسفیانہ افکار کا جائزہ لیں جو اس عالم کے بارے میں اختیار کئے گئے اور یہ دیکھیں کہ ان سے انسانی زندگی پر کیا اثر پڑا۔

بات یہ ہے کہ فلسفہ اور مذہب نے اسلام سے متعلق دو واضح اور متعین موقف اختیار کئے، افلاطون نے حقانیت عالم کا انکار کیا اور یہ کہا کہ اس عالم کی تمام تر نیرنگیاں حقیقت کا پرتو، انعکاس اور ظل ہیں۔ عیسائیت کے روایتی رجحان نے اس موقف کی تائید کی اور زندگی کے نقشہ کو اس انداز سے ترتیب دیا جس سے زندگی سے بیزاری، نفرت اور تحقیر کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ ارسطو نے نہ صرف وجود عالم کو تسلیم کیا بلکہ وجود عالم، کم و کیف اور زمان و مکاں کے جن رشتوں سے منسلک ہے ان کی بھی وضاحت کی جو رشتے منطق کی اصطلاح میں "مقولات عشر" کے نام سے موسوم ہوئے۔

اسلام نے کھلے بندوں اس موقف کی تائید کی کہ یہ عالم رنگ و بو، یہ کائنات بوقلموں اور یہ کارخانۂ علم و ہنر موجود و برحق ہے اور اس کا وجود و تحقق کسی سیمیائی ظلیت یا فکر و تصوّر کی عکس آرائی کے خلاف خود حضرتِ حق کے وجود و اثبات پر ایک روشن دلیل اور واضح نشان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا وجود باوجود تحقق و اثبات کے ذروہ عالیہ پر فائز ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تخلیق و آفرینش کا اعجاز محض خیال، تصوّر اور فکر و نظر ہی کا کرشمہ ہو اور وجود حقیقی سے محروم ہو۔ یہاں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ اس عالم کے بارے میں عقیدہ و موقف کا یہ اختلاف صرف نظری و عقلی نوعیت ہی کا نہیں بلکہ یہ اختلاف عمل و کردار کا اختلاف ہے، اور اس کو اپنانے اور ماننے سے دو بالکل مختلف قسم کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔

اگر یہ دنیا باطل ہے، اگر یہ کارخانہ عالم محض فکر و تصوّر کی تجسیم اور انعکاس ہے اور اس کا اپنا کوئی وجود نہیں تو پھر یہ راہ دنیا سے نفرت و بیزاری کی راہ ہے اور علوم و فنون اور زندگی میں تگ و تاز سے انحراف کی راہ ہے۔ یہی نہیں یہ راہ جہل و نادانی اور تعصّب کی راہ ہے۔ مزید برآں یہ راہ غیر اجتماعی اور غیر تمدنی ٹھہرے گی اور آخر میں انسانی شرف و مجد کا گلا گھونٹ دینے والی راہ ثابت ہوگی اور اگر یہ دنیا موجود اور تحقق پذیر ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے مثبت تقاضے ہیں جنہیں بہرحال

پورا کرنا ہے۔ دنیا کے بارے میں اس موقف کو مان لینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے زندگی کی نشاط آفرینیوں میں بھرپور حصّہ لینے کا عہد کیا ہے۔ ہم نے اس کو سنوارنے اور بنانے کی ذمہ داریاں قبول کر لی ہیں اور ہم نے طے کر لیا ہے کہ علوم و فنون کے قافلوں کو آگے بڑھائیں گے۔ تہذیب و تمدن کی گرہیں سلجھائیں گے اور انسان کے داعیہ تخلیق و ایجاد کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

ظاہر ہے موقف اور نقطہ نگاہ کا یہ اختلاف زندگی کے جن مد رُخوں اور دھاروں کو فکر و نظر کے سامنے لاتا ہے، وہ محض فرضی اور خیال و وہم کی طرفہ طرازیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس حقیقت کا غماز ہے، جس کو رہبانیت اور اسلام کی تاریخ میں واضح طور سے دیکھا اور جانچا جاسکتا ہے۔ یعنی جہاں عیسائیت نے دنیا سے گریز و فرار کی راہ اختیار کی، علم و تہذیب کے قافلوں کو آگے بڑھنے سے روکا، انسانیت کی تذلیل کی، حقائق کے مقابلہ میں شدید قسم کے تعصبات کا مظاہرہ کیا وہاں اسلام کا کردار ایسے تصورات و عقائد کا حامل ثابت ہوا جس سے علم و عرفان کی شمعیں فروزاں ہوئیں۔ بزم کون تہذیب و تمدن کی گل کاریوں سے آراستہ ہوئی اور طلب و جستجو اور تحقیق و کاوش کے داعیوں نے نہایت سلیقے سے علوم و فنون کے دبستان سجائے۔

اس عالم سے متعلق اسلام کے زاویۂ نظر کی بات چھڑی ہے تو اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہیئے کہ قرآن اس سلسلہ میں تین نکات کی وضاحت کرتا ہے۔

(۱) یہ کہ یہ عالمِ تحقق و ثبوت کے لوازم سے پوری طرح اتصاف پذیر ہے۔

(۲) یہ کہ اس کی تخلیق و آفرینش مقصدیت لئے ہوئے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اندھی اور غیر منطقی قوتوں نے جنم نہیں دیا بلکہ علیم و خبیر خدا نے پیرہن وجود بخشا ہے۔

(۳) اور یہ کہ یہ دنیا منزل نہیں، منزل آخرت ہے اس لئے زندگی کے نقشہ کو ترتیب دیتے وقت دیکھنا یہ ہوگا کہ یہ آخرت کے تقاضوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو۔

یہ عالم برحق اور موجود ہے اس کے ثبوت کے لئے دیکھئے سورہ زمر، سورہ جاثیہ اور سورہ احقاف کی یہ آیتیں :-

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (۵)	اسی نے زمین و آسمان کو ٹھیک ٹھیک اور تدبیر کے ساتھ پیدا کیا۔
وَخَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (۲۲)	اور اللہ نے زمین اور آسمانوں کو ٹھیک ٹھیک اور تدبیر کے ساتھ پیدا کیا۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بینھما الا بالحق (۱۷)	ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان واقع ہے۔ برحق اور حکمت پر مبنی پیدا کیا ہے۔

یہ عالم معروضیت کے ساتھ ایک نوع کے تقدس کا بھی حامل ہے

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ قرآن حکیم نے کائنات کے بارے میں 'حق' کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے یہ صرف وجود و تحقق ہی پر دلالت کناں نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ عالم ایک طرح کی حرمت و تقدیس سے بھی بہرہ مند ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان یہاں رہ کر اس احساس کی پرورش کرے کہ یہ عالم اپنی زیبائی و رعنائی کے باوصف عارضی و فانی ہے اور مجھے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ہے بلکہ چند ے قیام کرکے آگے بڑھنا اور رب ذوالجلال کے حضور پیش ہونا اور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔

یہ کائنات اپنی آغوش وجود میں غرض و مقصد لئے ہوئے ہے، قرآن حکیم نے اس مضمون کو کئی انداز سے پیش کیا ہے۔ سورہ ص میں ہے :

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما باطلا (۲۷)	اور ہم نے زمین آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو بیکار اور حکمت سے بتی پیدا نہیں کیا۔

سورہ آل عمران میں ہے :

ربنا ما خلقت ھذا باطلاً سبحانك فقنا عذاب النار (۱۹۱)	اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے دنیا کو بیکار اور حکمت سے بتی پیدا نہیں کیا تو پاک ہے سو ہمیں عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔

رہا تیسرا نکتہ تو اس کی تشریح کو قرآن کی اصطلاح میں ایمان بالآخرت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ زندگی، زندگی کی یہ تگ و دو اور جسم و روح کی تکمیل و اتمام کی یہ آرزو جو دنیوی زندگی میں انسان کو سرگرم عمل رکھتی ہے، موت کے حادثے سے ختم نہیں ہو جاتی بلکہ زندگی کا یہ سفر برابر جاری رہتا ہے اور ایسی زندگی پہ جاکر منتج ہوتا ہے جو ابدی ہے اور جس کا رخ اد نئے خواہشات کے بجائے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اس عالم ابدی کے کوائف اور لذتوں کا کیا حال ہے، قرآن حکیم کے الفاظ میں اس کی جھلک سورہ سجدہ میں کچھ اس طرح دکھائی دیتی ہے :

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (۱۷)

کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اس کے لئے کیا کیا سامان راحت چھپا کر رکھا گیا ہے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

سورہ عنکبوت میں ہے :

وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون (۶۴)

اور زندگی کا گھر تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ سمجھتے۔

معروضیت عالم کی بحث غیر مفید اور ناتمام رہے گی اگر اس میں تعلیل وتسبب کی کارفرمائیاں نہ پائی جائیں۔ نظم و قاعدہ کی باقاعدگی مفقود ہو اور مقصود و وسائل میں رشتہ و تعلق کی نوعیت معدوم ہو اور اگر اس کارگاہِ حیات میں ایک اسلوب خاص پایا جاتا ہے اور ذرہ ذرہ سے حکمت و دانائی کی معجزہ طرازیاں جھلک رہی ہیں تو اس کا صاف صاف مطلب ہے کہ یہ عالم استقراء و جستجو اور طلب و تفحص کا بجا طور سے سزاوار اور ہدف ہے۔ سائنس اور طبیعیات کے اس جامع بوجھے اصول کو قرآن نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔

سورہ جاثیہ میں ہے :

ان فی السمٰوٰت والارض لاٰیٰت للمومنین (۳)

یقیناً زمین اور آسمانوں میں مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں

سورہ ذاریات میں ہے :

و فی الارض ایات للموقنین (۲۰)

اور زمین میں یقین سے بہرہ مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں

سورہ یونس میں ہے :

ان فی اختلاف الیل والنھار وما خلق اللہ ۔ فی السمٰوٰت والارض لاٰیات لقوم یتقوْن (۶)

رات اور دن کے آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، پاک بازوں کے لئے نشانیاں ہیں کہ اس کارگاہِ حیات میں علل واسباب کا عمل جاری ہے۔

اس عالم کی معروضیت تسلیم کر لینے کے بعد اور اس حقیقت کو مان لینے کے بعد استقراء کی طرف دوسرا قدم یوں اٹھتا ہے کہ ہم فکر و تعقل کی اہمیتوں پر ایمان لائیں اور خرد و دانش کے دھاروں کے

آگے تعصبات کے بند باندھنا چھوڑ دیں اور جہل و ناواقفی کی ان دیواروں کو گرا دیں جن کو بیکن اصنام سے تعبیر کرتا ہے۔ یہی نہیں اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عقل و خرد کی نشاط آفرینیوں کو اس اہم کام کے لئے وقف کر دیں کہ ہم جزئیات عالم پر عبرت و استدلال کی نظر ڈالیں اور ان میں ان رشتوں، اصولوں اور پیمانوں کو ڈھونڈ نکالیں جن سے تخلیق و ارتقا کا پیچیدہ سلسلہ نکھرتا اور حل ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ عالم آرائی بخت و اتفاق کی بے غرض کارسازیوں سے ظہور میں نہیں آئی بلکہ اس کے پیچھے باقاعدہ عقل و حکمت اور ربوبیت کے کرشمے سرگرم عمل ہیں۔

مختصر لفظوں میں یہ دعویٰ کہ قرآن نے اوّل اوّل استقرائی طرز فکر کی طرح ڈالی ہے، ان تین نکات کے اثبات پر منحصر ہے۔

۱: کیا قرآن فکر و تعقل کے داعیوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

۲: کیا قرآن حکیم فکر و دانش کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر دینے کا حامی ہے۔

۳: اور یہ کہ کیا قرآن جزئیات عالم کو فکر و تعقل کا محور قرار دیتا ہے۔

کیا قرآن فکر و تعقل کے تقاضوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے؟

جہاں تک دعوے کے پہلے جزء کا تعلق ہے، ہم بغیر کسی مبالغہ آرائی کے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حکیم وہ پہلی الہامی کتاب ہے جس نے خرد و عقل اور دین کے تقاضوں میں تضاد کی نفی کی اور اس حقیقت کا اعلان کیا کہ دونوں کی منزل ایک ہے۔ اگر وحی و تنزیل کی ترجمانی صحیح ہو اور عقل و فکر کا سانچہ درست ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی یافت اور اخذ کردہ نتائج میں کسی طرح کا اختلاف پایا جائے۔ سورۂ نجم میں ہے:

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (۴۲) اور یہ کہ تمہیں گھوم پھر کر اپنے پروردگار ہی تک پہنچنا ہے

دین صحیح اور عقل صحیح کی منزل و ہدف ایک ہے۔ دونوں کا میدان، اسلوب اور پرواز کی جہتیں اگرچہ مختلف ہیں تاہم دونوں کی سوتیں چونکہ ایک ہی سرچشمہ ہدایت سے پھوٹی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آخر میں یہ انہی نتائج تک پہنچیں جن کو ہم دینی اور دینی قدروں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان میں اختلاف کی وجہ یہ نہیں کہ دونوں میں تضاد رونما ہے بلکہ اختلاف اس لئے ابھرتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کی ترجمانی صحیح نہیں ہو پاتی۔

قرآن حکیم نے عقائد و عمل کے جس نقشہ کو پیش کیا اس کی معقولیت اس درجہ مسلم ہے کہ خود بعض مخالفین نے اس کو اس وجہ سے دین ماننے سے انکار کر دیا کہ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو ہم راز،

بستر اور معمہ کہہ سکیں۔ ان کے نزدیک دین میں ایسے گوشوں، عقیدوں اور عجائب و غرائب کا ہونا ضروری ہے جن کو عقل و خرد کے تقاضے ماننے سے انکار کر دیں۔ ٹرٹیلین ایک مشہور عیسائی متکلم کا کہنا ہے :-

"میں کہتا ہوں مسیح خدا کا بیٹا ہے اور مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ خدا پر موت طاری ہوئی اگرچہ یہ خلافِ عقل ہے۔ پھر یہ خدا جی اٹھا، یہ بھی خلافِ عقل ہے اور میں ان عقائد پر اسی وجہ سے عقیدہ رکھتا ہوں کہ عقل و خرد کی رو سے یہ باطل ہیں"

قرآن حکیم نے مسلمانوں کو فکر و تدبر پر کس کس انداز اور اسلوب سے ابھارا ہے۔ قرآن حکیم کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اس کا ہر ہر جملہ آیت کہلاتا ہی اسی بنا پر ہے کہ اس میں دانش و عقل کی نشانیاں پنہاں ہیں۔ اس لئے ہم ان متعدد شواہد کو پیش نہیں کرتے جو قرآن حکیم کی سورتوں میں آیات کی شکل میں جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ اس سلسلہ کی دو آیتیں بہت اہم ہیں۔ ان میں ایک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ شعور و احساس کے جتنے بھی ذرائع ہیں ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان سے صحیح صحیح کام لیا گیا یا نہیں اور یہ کہ ان سے اعتبار اور استدلال کے موتی چنے گئے یا ان کو جہل و عناد کے دبیز پردوں سے ڈھانپ دیا گیا۔ دوسری آیت اہل جہنم کے اس احساس پشیمانی کو ظاہر کرتی ہے کہ اے کاش ہم نے دنیا میں رہ کر سوچا سمجھا ہوتا اور فکر و تدبر کی صلاحیتوں کو اچھی طرح آزمایا ہوتا۔ سورۂ اسراء میں ہے :

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك كان عنه مسئولا (۳۶)	کان، آنکھ اور دل ان سب سے باز پرس کی جائے گی۔

یہاں یہ نکتہ جانفزا لائق توجہ ہے کہ قرآن حکیم نے کان، آنکھ اور دل کے لئے اولٰئک کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق عموماً ذوی العقول پر ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن حکیم ان میں سے ہر ایک آلہ کو ایک شخص قرار دیتا ہے جو سوچتا اور جانتا بوجھتا ہے اور اس سے توقع رکھتا ہے کہ یہ اپنے فرائض کما حقہٗ ادا کرے گا اور جانچ پرکھ کی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گا جو اس میں ودیعت کر دی گئی ہیں۔ سورہ ملک میں ہے :

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ (۱۰)	اور کہیں گے اگر ہم سنتے اور سوچتے سمجھتے ہوتے تو آج دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

کیا قرآن فکر و تعقل کی تگ و تاز کو تعصبات سے پاک دیکھنا چاہتا ہے؟

آئیے! اب بحث کے اس نکتے کی

طرف بڑھیں کہ آیا قرآن فکر و تعقل کی تگ و تاز کو گرد و پیش کے تعصبات اور ماضی کے بندھنوں سے ہٹ کر آزادانہ اور اپنی اصلی اور فطری شکل و صورت میں جلوہ گر دیکھنے کا خواہاں ہے یا اس کی روش بھی بغیر سوچے سمجھے خیالات و عقائد کی تقلید ہی پر مبنی ہے۔

اس نکتہ کے بارے میں بھی یہاں تفصیل سے کچھ کہنا نہیں ہے۔ جب یہ واضح ہوگیا کہ قرآن فکر و تدبر اور تذکر و تعقل پر بار بار ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ قرآن کے نقطۂ نظر سے عقل و دین میں کوئی منافات پائی نہیں جاتی تو یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن فکر و تعقل کے تقاضوں کو تعصبات کی کسی بھی زنجیریں پا بجولاں کر دینے کا حامی نہیں۔ اس ضمن میں صرف یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بیکن جن تعصبات کو "اصنام" سے تعبیر کرتا ہے قرآن اس کو تقلید آبا کا نام دیتا ہے اور واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ یہ قطعی ضروری نہیں کہ حق ماضی ہی کی میراث ہو۔ ہوسکتا ہے کہ حق پر ہونے کے بجائے ماضی میں لوگ جہل و نادانی کا شکار ہوں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:-

اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَاۤؤُهُمْ لَا	کیا لوگ اس حال میں بھی تقلید کو ترجیح دیں گے۔
يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ	چاہے ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے بوجھتے ہوں
(۱۷۰)	اور نہ راہ راست پر ہوں۔

اسی حقیقت کو سورۂ مائدہ میں یوں بیان فرمایا :-

اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَاۤؤُهُمْ لَا	کیا اس حال میں بھی یہ تقلید پر جمے رہیں گے،
يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ	جب کہ ان کے باپ دادا نہ تو کسی چیز کا علم
(۱۰۴)	رکھتے ہوں اور نہ یہ صحیح راستہ ہی پر ہوں۔

بیکن نے ماحول اور ماضی کی تقلید کے علاوہ جس چیز کو فکر و تعقل کی زبردست زنجیر قرار دیا، وہ "وہ غلط الفاظ اور محاورات ہیں جو غلط مفروضوں پر مبنی ہوں۔ اس سے بیکن کا یہ مطلب ہے کہ فکر و نظر کی کجی کا باعث صرف غلط دلائل ہی نہیں، الفاظ و محاورات کی غلطی بھی استدلال کی کجی کا باعث ہوتی ہے۔ قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ وہ فکر و تعقل کی اس کمزوری کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ چنانچہ بت پرستوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم جن آلہہ کی تقدیس و کبریائی کے قائل ہو، خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ یہ محض الفاظ، نام اور فرضی صفات ہیں جن کی تم پرستش کر رہے ہو، دیکھئے سورۂ یوسف کی یہ آیت :

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ	تم اللہ کے سوا جن آلہہ کی پوجا کرتے ہو وہ

اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا۔ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ (۴۰) — صرف اسما ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ رکھا ہے۔

آخری بحث طلب موڑ۔ کیا قرآن استقرا کی تلقین کرتا ہے

یہاں تک بحث و نظر جن نکات سے عہدہ برآ ہو چکی ہے ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس عالم کے بارے میں قرآن فکر و نظر کے جس انداز کی حوصلہ افزائی کرتا ہے وہ قطعی استقرائی اور سائنسی خصوصیات لئے ہوئے ہے۔ آخری بحث طلب موڑ یہ ہے کہ آیا اس فکر و نظر کا محور کلیات میں پہلے سے ڈھلے ڈھلائے مفروضات اور مقدمات عامہ ہیں یا یہ امر ہے کہ تم کائنات کے ہر ظہور اور جزئیہ پر اعتبار و استدلال کی نظر ڈالو اور دیکھو کہ ان میں ایک ایک ظہور اللہ تعالیٰ کی توحید اور وجود پہ دلالت کناں ہے یا نہیں۔

زندگی اور کائنات کا تجزیہ کیجئے۔ انفس و آفاق کے دو ہی خانوں میں ساری حقیقت سمٹی ہوئی نظر آئے گی اور ان دونوں خانوں کے بارے ہیں۔ قرآن نے بہ کرات و مرات واضح لفظوں میں دعوتِ فکر دی ہے۔

اس سلسلہ میں سورہ ذاریات کی یہ جامع آیت دیکھئے جس میں انفس و آفاق دونوں کو فکر و تدبّر کا ہدف قرار دیا گیا ہے :

وفی الارض ایات للموقنین	اور زمین میں اور خود تمہارے قلب و روح میں
وفی انفسکم افلا تبصرون ○	یقین سے بہرہ مند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔
(۲۱)	کیا تم دیکھتے بوجھتے نہیں۔

اور پھر سورہ غاشیہ کی مندرجہ تحت آیات پر غور کیجئے جن میں مظاہر فطرت کو فکر و تدبّر کا خصوصیت سے محور ٹھہرایا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن کائنات کے بارے میں جس منطق کو مفید سمجھتا ہے وہ استقرائی ہے۔ تخریجی یا صوری منطق نہیں۔

افلا ینظرون الی الابل کیف	اور کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کیونکر بنایا گیا۔
خلقت ۔ والی السمآء کیف	اور آسمانوں پر غور نہیں کرتے کیسے بلند کیا گیا
رفعت والی الجبال کیف	اور پہاڑوں پر نظر نہیں ڈالتے کس طرح انہیں
نصبت والی الارض کیف	نصب کیا گیا اور زمین کے بارے میں نہیں سوچتے
سطحت (۲۰)	کس انداز سے اس کو پاؤں تلے بچھا دیا گیا۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ استخراجی منطق سے مسلمانوں نے کوئی کام نہیں لیا جہاں تک عقائد اور علم الکلام کا تعلق ہے مسلمان متکلمین اسی اسلوب تحقیق و تفحص کے پیرو نظر آتے ہیں جس کی معلم اول ارسطو نے طرح ڈالی تھی۔ قدما میں استخراجی طرز استدلال اس طرح فکر و تدبر کے دھاروں میں گھل مل گیا کہ اسے فقہ، اصول فقہ حتیٰ کہ نحو کے قواعد کی تشریح و اثبات تک میں آزمایا اور برتا گیا۔ عملاً استقرائی منطق کو استعمال کرنے کی ضرورت کا احساس اس وقت ہوا جب مسلمان حکما کی نادرہ کاریوں نے طبیعیات کو موضوع بحث بنایا اور فلکیات، علم البصر والنور اور طب و تشریح میں حیرت انگیز ترقی کی۔ جب ابو معشر، ابن الہیثم، ابن سینا، رازی اور زہراوی نے علوم و فنون کی دنیا میں اپنی قابلیت و ابتکار کا لوہا منوا لیا اور ایسے حقائق کی نشان دہی کی جو آگے چل کر موجودہ تہذیب و ثقافت کے ارتقا کا باعث بنے۔

یہ علمی ناانصافی ہوگی اگر ہم اس مرحلہ پر دو باتوں کا صاف صاف اعتراف نہ کریں۔ ایک یہ کہ پہلے پہل گو قرآن حکیم ہی نے منطق استقرائی کے اسلوب و انداز کی طرف توجہ دلائی اور اس کے خدوخال اور لوازم کو اچھی طرح نکھارا اور عملاً مسلمانوں نے طبیعیات کے دائروں میں اسے برت کر بھی دکھایا تاہم فنی حیثیت سے قرآن کے اس انداز فکر کی تکمیل کا سہرا بیکن اور مل کے سر ہے۔ مغرب کے یہ عبقری ہیں جنہوں نے ہزار سالہ فکری غلامی سے انسان کو نجات دلائی اور تحقیق و تفحص کی ان راہوں کو متعین کیا جن سے منطق استقرائی کی افادیت واضح ہوتی ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے استقرا کو ظن و تخمین کی تاریکیوں سے نکال کر یقین و اذعان کی روشنی عطا کی۔ یعنی اس کو نتیجہ خیز اور مثمر بنانے کے لئے اصول و ضوابط کی تدوین کی۔

دوسرے یہ کہ قرآن حکیم نے استقرا کے جس منہاج کی طرف توجہ دلائی اس کا اوّلین تعلق غور و فکر کی ان کیفیتوں سے ہے جو ہر ہر انسان کے دل میں وجود باری کے نقش کو اجاگر کریں جو توحید کے تصور و عقیدہ کو نکھاریں اور اخروی زندگی کے بارے میں یقین و اذعان کے داعیوں کو بیدار کریں۔ طبیعی علوم و فنون میں اس کے تعلق کی نوعیت ثانوی اور ضمنی ہے اس لئے کہ قرآن حکیم کے نزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خلق اللہ کو اللہ کی طرف بلایا جائے۔ ان کی اخلاقی و روحانی اصلاح کی جائے اور انہیں اس حیات افروز حقیقت سے آگاہ کیا جائے کہ اس چند روزہ زندگی کے بعد، زندگی کے اس روشن اور مکمل دور کا آغاز ہونے والا ہے جس کی ترقیات کا دار و مدار کردار و عمل اور ایمان و اذعان کی استواریوں پر ہے چنانچہ قرآن کے دائرہ فکر میں یہ بات ہرگز شامل نہیں کی وہ

(بقیہ صفحہ ۹۰ پر)

فہرست مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲- افغانی روڈ - سمن آباد - لاہور (فون: ۶۸۲۴۵)

تصنیف امام حمید الدین فراہیؒ

★ مجموعہ تفاسیر فراہیؒ ہدیہ -/۲۴ روپے

تصانیف مولانا امین احسن اصلاحی

★ سلسلہ تدبر قرآن

- مبادیٔ تدبر قرآن : تدبر قرآن کے اصول و قواعد پر اہم دستاویز ہدیہ -/۶ "
- مقدمہ تدبر قرآن و تفاسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ " -/۲ "
- تدبر قرآن جلد اول مشتمل بر مقدمہ و تفسیر از ابتدا تا سورۂ آل عمران " -/۴۰ "
- تدبر قرآن جلد دوم مشتمل بر تفسیر سورۂ نساء تا سورہ اعراف " -/۳۲ "
- تدبر قرآن جلد سوم مشتمل بر تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ بنی اسرائیل " -/۴۰ "

★ حقیقت دین، مشتمل بر حقیقت شرک، حقیقت توحید، حقیقت تقویٰ اور حقیقت نماز " -/۱۲ "

★ دعوت دین اور اس کا طریق کار " -/۵ "

★ اقامت دین کے لیے انبیاء کرام کا طریق کار " -/۵۰

★ قرآن اور پردہ " -/۶۰

تصانیف ڈاکٹر اسرار احمد

★ تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ " -/۴ "

★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصل کام -/۵۰

★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق " -/۱ "

★ WHAT DO THE MUSLIMS OWE THE QURAN " ۱/۵۰ "

★ راہ نجات : سورۂ والعصر کی روشنی میں ادنیٰ -/۴۰ اعلیٰ -/۱ "

★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں -/۷۵

★ قرآن اور امن عالم -/۵۰

تالیف ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

★ اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار اعلیٰ ۱/۵۰ ادنیٰ " -/۱ "

(محصول ڈاک ان قیمتوں کے علاوہ)

★ اور ماہنامہ میثاق لاہور چندہ سالانہ -/۱۰ فی پرچہ -/۱ "

ڈاکٹر امان اللہ خان
شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

سائنسی طریقِ کار اور قرآن حکیم

سائنسی طریقِ کار (SCIENTIFIC METHOD) کے آغاز و اطلاق کو جدید سائنسی ترقی اور نشوو ارتقاء کا بنیادی سبب سمجھا جاتا ہے اور مغربی سائنس دانوں اور مفکرین کی اکثریت یہ کہتے ہوئے ہرگز نہیں تھکتی کہ اس طریقِ کار کے آغاز و اطلاق کا سہرا مغربی سائنس دانوں کے سر ہے۔ لیکن اس دعوے کی حقیقت کو ایک یورپی انصاف پسند مصنف بریفالٹ نے جس کا حوالہ علامہ اقبال نے بھی اپنے مشہور خطبات میں دیا ہے یوں واضح کیا ہے:۔

"راجر بیکن اور اس کے ہمنام کے متعلق جو بعد میں ہوا یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ تجربی اسلوب کی ترویج کا سہرا ان کے سر ہے۔ راجر بیکن کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مسیحی یورپ کو مسلمانوں کی سائنس اور ان کا اسلوب سکھانے کا ذمہ دار تھا اور وہ اس امر کا اعتراف کرتا ہوا تھکتا ہی نہ تھا کہ اس کے معاصرین کے لیے علم صحیح کا واحد ذریعہ صرف عربی زبان اور عربی سائنس تھی[1]"

"یہ اغلب خیال ہے کہ اگر عرب نہ ہوتے تو زمانہ حاضر کی یورپی تہذیب پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی اور یہ قطعی و یقینی ہے کہ یورپی تہذیب ایسی نوعیت اختیار نہ کر سکتی جس کی وجہ سے وہ ارتقاء کی تمام ماقبل منزلوں سے آگے بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ اگرچہ یورپ کی نشوونما کا کوئی ایک پہلو بھی ایسا نہیں جس میں ثقافت اسلامی کے قطعی اثر کا سراغ نہ مل سکے لیکن اس کا نہایت واضح اور مہتم بالشان ثبوت یہ ہے کہ یورپ میں وہ قوت پیدا ہو گئی جو دنیائے حاضر کی اعلیٰ ترین امتیازی قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا

---

[1] BRIFFAULT, THE MAKING OF HUMANITY (LONDON, 1928) PP 200-201 ص۲۰۱

سرچشمہ ہے یعنی طبیعی سائنس اور سائنسی روح"۔ [۱]

"ہماری سائنس پر عربوں کا جو احسان ہے وہ چونکا دینے والے انکشافات یا انقلابی نظریات پر مشتمل نہیں بلکہ سائنس اس سے بھی زیادہ عربی ثقافت کی ممنون احسان ہے کیونکہ دراصل سائنس کو اسی ثقافت نے جنم دیا ہے ..... دنیائے قدیم "قبل سائنس" کی دنیا تھی۔ یونانیوں کی فلکیات و ریاضیات باہر سے درآمد ہوئی تھیں۔ چنانچہ یونانی ثقافت انہیں پورے طور پر کبھی جذب نہ کر سکی۔ اس میں شک نہیں کہ یونانی اپنے علوم کو مرتب کرتے تھے، عمومیت دیتے تھے، نظریات قائم کرتے تھے، لیکن صابرانہ تحقیق و تفتیش، مثبت علم کی فراہمی، سائنس کی باریک بینی، مفصل و طویل مشاہدات اور تجربی تجسس یہ سب لوازم علمی یونانی مزاج سے قطعاً بعید تھے۔ قدیم کلاسیکی دنیا میں صرف ہیلانی سکندریہ کے اندر سائنسی عمل کی سعی کا سراغ ملتا ہے۔ ہم جس چیز کو سائنس کے نام سے موسوم کرتے ہیں وہ ان امور کا نتیجہ ہے کہ تحقیق کی نئی روح پیدا ہوگئی۔ تفتیش کے نئے طریقے معلوم کئے گئے۔ تجربہ، مشاہدہ اور پیمائش کے اسلوب اختیار کئے گئے۔ ریاضیات کو ترقی دی گئی اور یہ سب کچھ ایسی شکل میں نمایاں ہوا جس سے یونانی بالکل بے خبر تھے۔ دنیائے یورپ میں اس روح کو اور ان اسالیب کو رائج کرنے کا سہرا عربوں کے سر ہے"۔ [۲]

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے قوی شواہد کی روشنی میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے :-

"غالباً سب سے پہلے ابوبکر رازی نے ارسطو کی شکل اول پر تنقید کی نظر ڈالی۔ رازی نے اس پر جو اعتراض کیا ہے اس کا رنگ خالصتاً استقرائی ہے اور یہ وہی اعتراض ہے جسے موجودہ زمانے میں جان سٹوارٹ مل نے پھر دہرایا ہے۔ منطق کی حدود سے بحث کرتے ہوئے ابن حزم نے بھی ادراک بالحواس ہی پر بحیثیت ایک سرچشمہ علم زور دیا اور الرد علی المنطق میں (امام) ابن تیمیہ نے بھی استقراء ہی کو بطور حجت قابل اعتماد ٹھہرایا ہے۔ یوں اس اسلوب کا آغاز ہوا جس کا تعلق مشاہدے اور تجربے سے ہے اور وہ بھی نظری طور پر نہیں بلکہ عملاً۔ چنانچہ نفسیات میں اس کا اطلاق جس طرح کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال تو البیرونی

---

[۱] IBID, P.190
[۲] IBID, P.191

کے اس انکشاف سے ملے گی جسے آجکل زمان رد عمل سے تعبیر کیا جاتا ہے .... لہٰذا یہ کہنا کہ تجربی منہاج کی دریافت کا سہرا مغرب کے سر ہے سراسر غلط ہے۔ یورپ نے اس حقیقت کو اگرچہ بہت دیر میں تسلیم کیا کہ سائنس کا منہاج دراصل مسلمانوں کی دریافت ہے لیکن بالآخر اسے اس کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔" [1]

سائنسی منہاج کی اصل کے بارے میں دو مشہور مشرقی و مغربی مفکرین کے ہم آہنگ نظریات کی روشنی میں مضمون کو آگے بڑھانا آسان ہوگیا ہے۔

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت، تصوّرات و نظریات اور علوم کا سرچشمہ ہمیشہ خدائے لم یزل کا آخری اور مکمل پیغام ہدایت قرآن مجید ہی رہا ہے اور اس پاک کتاب کی تعلیمات پر عمل کے فیض سے مسلمانوں کو اقوام عالم کی جہانگیری، عظمت و شوکت اور عزت و وقار کے ساتھ ساتھ عالم انسانیت کے معلّم اور رہنما ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا اور صدیوں تک علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی باگ ڈور فقط اور فقط انہی کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی۔

یہ قرآن حکیم کی واضح تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مسلمانوں میں دقیق مشاہدے، تحقیق، تجسّس، غور و فکر، تدبّر و تعقّل اور باریک بینی کا جذبہ پیدا ہوا اور اس جذبے نے جب عملی اور تحقیقی شکل اختیار کی تو سائنسی طریق کار کہلایا۔

اس اجمال کی وضاحت کے لیے جدید سائنسی طریق کار کو مناسب تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہم بخوبی آگاہ ہیں کہ سائنس دان کس طرح کام کرتے ہیں۔ ماہرین علم طبیعات اور کیمیادان تجربہ گاہوں میں مشاہدات، غور و خوض اور عام مطالعہ پر مبنی علم کو تجربات پر پرکھتے ہیں۔ حیاتیاتی سائنسدان خورد بینوں اور کیمیا کے سامان کی مدد سے نباتات اور حیوانات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انسانی مسائل سے متعلق طلبا اپنے تحقیقی اداروں میں شماریات اور دیگر ریکارڈ کی مدد سے انسانی مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان تمام شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ سائنس دانوں کے لیے نئے علم کے حصول کی بنیاد مشاہدات، غور و خوض، پیمائش، آزمائش اور تجربات ہوتی ہے اور وہ اپنے مخصوص طریقوں سے تحقیق اور علم کا جائزہ لیتے ہیں۔

---

[1] ALLAMA IQBAL, THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM (LAHORE, 1965) P.129

اسے ہی سائنسی طریق کار کہا جاتا ہے۔ فلسفۂ سائنس کی زبان میں سائنسی طریق کار ایسا تحقیقی طریق کار ہے جس میں سائنسی مسائل کو حل کرنے کے لیے منطقی اصولوں سے پوری پوری مدد لی گئی ہو۔ یوں منطق سائنسی طریق کا کا ایک مرکزی ہتھیار ہوتا ہے اور مشاہدہ و تجربہ نئے پیش ہونے والے نظریات و تصوّرات کی تصدیق یا تکذیب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا امریکانا کا "سائنسی طریق کار" کا مضمون نگار اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:-

"SCIENTIFIC METHOD IS AN INVESTIGATIVE PROCEDURE WHICH INVOLVES THE APPLICATION OF THE PRINCIPLE OF LOGIC TO THE SOLUTION OF SCIENTIFIC PROBLEMS, IN ITS EASE OF ADAPTABILITY TO ALL THE SCIENCES, LOGIC BECOMES THE COMMON DENOMINATOR AND REASONING TOOL OF SCIENTIFIC METHOD, WITH OBSERVATION AND EXPERIMENT THE MEANS OF VERIFICATION OF THE THEORIES THUS ADVANCED." [1]

یوں مشاہدہ، مفروضوں کا وضع کرنا — (FORMATION OF HYPOTHESES)، تجربہ قانونِ علت و معلول کی کھوج نیز نظریات و تصوّرات کی تشکیل و وضاحت سائنسی طریق کار کے بنیادی اصول و لوازم ہیں۔

سائنس دانوں اور دیگر اہلِ علم حضرات نے مذکورہ اصول و لوازم پر تفصیلی بحثیں کی ہیں۔ اس سلسلے کے چند نمایاں مصنفین و مآخذ یہ ہیں:-

۱ - جان سٹوارٹ مل -
۲ - جارج سارٹن
۳ - جے - ٹی - ڈیویز -

---

[1] ENCYCLOPEDIA AMERICANA (U.S.A, 1961), XIV, P. 418.

(4) COLLIER'S ENCYCLOPEDIA, RELEVANT ARTICLES.

(5) MCGRAW HILL, ENCYCLOPEDIA OF SCIENCE & TECHNOLOGY, RELEVANT ARTICLES

(6) ENCYCLOPEDIA AMERICANA, RELEVANT ARTICLES.

(7) ENCYCLOPEDIA BRITANNICA, RELEVANT ARTICLES.

اختصار کے پیش نظر مضمون کے اس حصے کی مزید تفصیل سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ اور توجہ اس امر پر مرکوز کی جاتی ہے کہ اس سلسلے میں قرآن حکیم نے ہماری کیا رہنمائی کی ہے۔ یہ بات طے ہے کہ قرآن حکیم بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی کتاب ہے۔ اسے سائنس کی کتاب سمجھنا کوتاہ نظری کی دلیل ہے تاہم مسلمانوں کے جملہ علوم کا سرچشمہ یہی کتاب مقدس ہے۔ اور اسی صحیفہ آسمانی نے مسلمانوں میں سائنسی غور و فکر اور تحقیق و تجسس کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

عمیق مشاہدے اور تجربے کی اہمیت و ضرورت کے بارے میں (اور تجربہ بقول جے۔ ایس مل مشاہدے ہی کی وسعت یافتہ صورت کا دوسرا نام ہے) قرآن حکیم میں متعدد آیات ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱- إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (سورۃ آل عمران، آیات ۱۸۹-۱۹۰)

(تحقیق زمین و آسمان کی تخلیق اور شب و روز کی گردش میں ان ہوشمند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں، پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔)

۲- إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۶۴)

(آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، گردش لیل ونہار میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی ہیں۔ بارش کے پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے اور اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، آسمانوں اور زمین کے درمیان تابع فرمان بادلوں میں ان لوگوں کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۔)

(۳) هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۔ سورۃ النحل آیات ۱۰ تا ۱۳)

(وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی چارہ ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو، سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب ستارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں بھی ضروری نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں ۔

قرآن حکیم بار بار مظاہر فطرت، حیوانات کی جسمانی ساخت اور زمین و آسمان کی طبعی ہیئت کے مشاہدے اور ان پر غور و فکر پر زور دیتا ہے ۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورہ یونس آیت ۱۰۱)

(کہیئے دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔)

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ (سورۃ غاشیہ ۱۷-۲۰)

(تو کیا اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیئے گئے ہیں۔ اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسا بلند بنایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے)۔

تحقیق وجستجو اور تفکر و تدبر کی روح کا مطالعہ حسب ذیل آیات قرآنی میں بہت خوبصورتی سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم یہ چاہتا ہے کہ اپنے پیروکاروں میں اس ضمن میں پختگی اور گہرائی پیدا کرے۔ چنانچہ یہ نصوص آدمی کو حقائق کا علم حاصل کرنے کے لیے تمام صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لانے پر برانگیختہ کرتی ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۳۶)

(اور اس کی پیروی نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ کان، آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق پوچھا گیا)

اَفَمَنْ يَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِیْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ سورۂ ملک: آیات ۲۲، ۲۳

(تو کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھا راہ راست پر چلتا ہے کہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ بہت ہی کم تر شکر کرتے ہو)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۔
(سورۂ انعام: آیت ۲۲)

(اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ بہرے۔ گونگے ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے)

قرآن حکیم کے نقطۂ نظر سے انسان کے سامنے غور وفکر، مطالعہ اور تحقیق وجستجو کا بہت وسیع میدان ہے۔ تمام طبیعیاتی اور فطری دنیا انسان کو دعوتِ تدبر دیتی ہے۔ خالق کائنات اپنی کتاب میں اس حقیقت کو بیان کرتا ہے۔

وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ

ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۔ (سورۃ جاثیہ : آیت ۱۵)

(اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (فضل سے) تمہارے کام پہ لگایا، اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔)

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۔ (سورۃ حٰم السجدہ آیت ۵۳)

(ہم انہیں اپنی نشانیاں اطراف میں اور ان کی اپنی جانوں میں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان کے لیے کھل جائے کہ وہ حق ہے ۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد حال ہے۔)

بقول علامہ اقبال:-

"قابل غور یہ امر ہے کہ قرآن کا تجربی زاویہ نظر اپنے پیرو کاروں میں حقیقت کی عظمت کے تصورات پیدا کرنے کا باعث ہوا اور انجام انہیں جدید سائنس کا بانی بنا دیا" [1]

قرآن حکیم نے اہل اسلام میں جس سائنسی روح کا بیج بویا تھا اس نے بار آور ہو کر ایک تناور درخت کی صورت اختیار کی۔ اور کم و بیش آٹھ سو سال تک جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں دے دی۔ سائنسی میدان میں جابر ابن حیان۔ یعقوب ابن اسحاق کندی، ابوبکر محمد بن زکریا رازی، ابونصر الفارابی بو علی سینا۔ ابن الہیثم۔ ابوریحان البیرونی۔ عمر خیام۔ ابن بیطار اور محمد بن موسی الخوارزمی اور ان جیسی متعدد دیگر عظیم شخصیتوں سے کون واقف نہیں اور تاریخ و احوال انسانی پر ان کے احسانات کا کسے علم نہیں جان ولیم ڈریپر (J. W. DRAPER) اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "معرکہ مذہب و سائنس (HISTORY OF THE CONFLICT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE) میں مسلمانوں کی سائنسی خدمات کا ذکر یوں کرتا ہے :-

"یورپ کا پہلا طبی مدرسہ وہ تھا جسے عربوں نے اٹلی کے شہر سلرنو (SALERNO) میں قائم کیا اور یہی رصدگاہ جو یورپ کو نصیب ہوئی وہ تھی جو اموی خلفا کی سرپرستی میں بمقام اشبیلیہ (اسپین) قائم ہوئی۔ اگر ہم اس مہتم بالشان علمی تحریک کی جزئیات سے بحث کریں تو کتاب کا حجم حد سے بڑھ جائے گا۔ لہذا ہم صرف اس اجمال پر اکتفا کرتے

---

[1] ALLAMA IQBAL, RECONSTRUCTION OF RELIGION THOUGHT, P. 74.

ہیں کہ مسلمانوں نے قدیم علوم و فنون میں بہت کچھ اضافے کئے اور نئے نئے علوم ایجاد کئے انہوں نے حساب کے ہندی طریقہ کو رواج دیا۔ جس میں تمام رقوم نہایت خوبصورتی کے ساتھ دس اعداد کے ذریعہ سے اس طرح ظاہر کی جاتی ہیں کہ ہر عدد کی اوّل تو ایک قیمت مطلق مقرر کر دی گئی ہے اور اس کے بعد ایک قیمت اعتباری ہے جو بلحاظ موقعہ یا مرتبہ پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ہر طرح کے اندازے کے لیے سہل اور سادہ قاعدے بنا دیئے گئے ہیں۔ جبر و مقابلہ یا بالفاظ دیگر ہمہ گیر ریاضی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے مقادیر غیر معینہ کی تعین یعنی ان تعلقات کی دریافت ہو سکتی ہے جو ہر قسم کی مقادیر کے درمیان قائم ہوں خواہ ان مقادیر کا تعلق علم حساب سے ہو خواہ علم ہندسہ سے۔ اس طریقہ کا موہوم سا خیال ڈایوفنٹس کو پیدا ہوا تھا جسے عربوں نے ترقی دے کر اس حد کمال تک پہنچایا۔ جبر و مقابلہ میں محمد بن موسیٰ نے مساوات درجہ چہارم اور عمر بن ابراہیم نے مساوات درجہ سوم کے حل کرنے کا عمل دریافت کیا۔ عربوں ہی کی مساعی سے علم مثلث نے اپنی موجودہ شکل اختیار کی۔ موسیٰ نے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں علم مثلث کروی پر ایک رسالہ لکھا اور البغدادی کا ایک رسالہ مساحت پر موجود ہے جس میں اس فن کے متعلق یہاں تک داد نکتہ سنجی دی گئی ہے کہ بعض لوگ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ اس موضوع پر اقلیدس کا جو مقالہ گم ہو گیا تھا، البغدادی کا رسالہ اسی کی نقل ہے۔

علم ہیئت میں انہوں نے نہ صرف ستاروں کی فہرستیں تیار کیں بلکہ اس حصۂ آسمان کے نقشے بھی تیار کئے جو ان کے پیش نظر تھا۔ بڑے بڑے ستاروں کے انہوں نے عربی نام بھی رکھے اور آج تک یہ ستارے انہیں ناموں سے مشہور ہیں جیسا کہ ہم کو معلوم ہو چکا ہے انہوں نے سطح زمین کے ایک درجہ کی پیمائش کر کے اس کی جسامت دریافت کی۔ طریق الشمس کا اعوجاج معلوم کیا۔ آفتاب و ماہتاب کی صحیح میزانیں شائع کیں۔ سال کی مدت مقرر کی، استقبال اعتدالین کی توثیق و تصدیق کی۔ لیپلس (LAPLACE) نے البتانی کے رسالہ "علم کواکب" کا ذکر ادب و احترام سے کیا ہے اور حاکم بامر اللہ خلیفہ مصر (۱۰۰۰) کے دربار کے مشہور ہیئت دان ابن یونس کی ایک عالمانہ تصنیف کے بعض بچے بچائے اجزاء کا بھی حوالہ دیا ہے جس میں المنصور عباسی کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کے مختلف مشاہدات فلکی مثلاً کسوف و خسوف، نقاط اعتدال لیل و نہار، نقاط انقلاب صیفی و شتوی، قران سیارگان و احتجاب کواکب کے نتائج مندرج ہیں۔ ان رصدی نتائج نے نظام عالم کے بڑے بڑے تغیرات پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ ہیئت دانان عرب نے آلاتِ ہیئت کی ترکیب و تکمیل

پر بہت سا وقت صرف کیا۔ وقت کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف قسم کی پانی اور دھوپ کی گھڑیاں ایجاد کیں اور سب سے پہلے اس مقصد کی تکمیل کے لیے "پنڈلم" (یعنی رقاص ساعت) انہی نے ایجاد کیا۔

عملی علوم میں جن کا دارومدار تجربہ پر ہے علم کیمیا کی ایجاد کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ انہوں نے اس فن کے بعض نہایت ہی اہم معیار دریافت کئے مثلاً گندھک کا تیزاب، شورے کا تیزاب اور الکحل۔ علم توازن مائعات میں جو ترقی انہوں نے کی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اجسام کے اوزان مخصوص کی میزانیں مرتب کرکے پانی میں اجسام کے ڈوبنے اور تیرنے کے مالہ وما علیہ پر انہوں نے مبسوط بحثیں لکھیں۔ فن مناظر ومرایا میں انہوں نے یونانیوں کی اس غلط فہمی کو درست کیا کہ شعاع نور آنکھ سے نکل کر شئی مرئی پہ پڑتی ہے۔ اس کے بجائے انہوں نے اس مسئلہ کو رواج دیا کہ شعاع سے چل کر آنکھ میں داخل ہوتی ہے۔ واقعہ انعکاس وانعطاف ضیا کی ماہیت کا انہیں پورا علم تھا۔ ابن الہیثم سے یہ مشہور تحقیقات منسوب ہے کہ شعاع نور کرہ ہوا کو بشکل قوس قطع کرتی ہے اور اس سے اس نے یہ ثابت کیا کہ ہم آفتاب و ماہتاب کو قبل طلوع وغروب دیکھ سکتے ہیں۔

اس علمی مستعدی کا اثر اس ترقی میں صاف نظر آتا ہے جو صنعت وحرفت کے متعدد فنون میں جلد جلد ہونی شروع ہوئی۔ [لے]

یہاں پہنچ کر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری ترقی رک کیوں گئی اور ہم علم وحکمت کی دوڑ میں پیچھے کیوں رہ گئے تو اس کا ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ :

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

لے J. W. DRAPER, HISTORY OF CONFLICT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE (LONDON) 1927) PP 97-98

بقیہ صفحہ ۲۹

کسی فن کے متعلق فن کی حیثیت سے گفتگو کرے اس کا اصل موضوع اصلاح، تزکیہ اور تحلیہ ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے باوجود اس کتاب ہدیٰ میں تمام مفید اور صحیح و درست علوم و فنون کی بنیادوں کا پتہ چلتا ہے تو یہ اس کا اعجاز ہے اور یہ اعجاز اس لئے ہے کہ یہ کتاب اس علیم و خبیر ہستی کی طرف سے ہے جس سے دنیا و مافیہا کی کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا اور اس میں نظم و قاعدہ کی جملہ رعایتیں ودیعت کیں۔

سالانہ رپورٹ

انجمن خدّام القرآن کراچی

از قلم : شیخ جمیل الرحمٰن ، معتمد عمومی

گزشتہ ۳۰ مارچ سے ۶ اپریل تک مسلسل آٹھ روز راقم کراچی میں مقیم رہا۔ اس دوران میں دو تقریریں سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موضوع پر تھیوسوفیکل ہال بندر روڈ میں ہوئیں۔ ایک خطاب جمعہ مسجد خضرا صدر میں ہوا۔ ایک چار روزہ قرآنی تربیت گاہ کورنگی میں منعقد ہوئی اور انجمن خدام القرآن کراچی کا سالانہ اجلاس عام جمعیت الفلاح ہال میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں انجمن خدام القرآن کراچی کی سالانہ کارکردگی کی جو رپورٹ پیش ہوئی وہ بعض غیر ضروری حصّوں کے حذف کے بعد درج ذیل کی جا رہی ہے۔

اسرار احمد

آج ربیع الاوّل کی گیارہ تاریخ ہے۔ انجمن کا افتتاحی اجلاس ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ کو اس مقام پر منعقد ہوا تھا چنانچہ قمری سال کے حساب سے انجمن کے قیام کو آج کے دن پورا ایک سال ہو رہا ہے۔

عوامی درس قرآن اور خطابات

مجلس منتظمہ نے طے کیا تھا کہ عموماً ہر ماہ لاہور سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو کراچی تشریف آوری کی دعوت دی جایا کرے اور ان کی آمد پر ایک مرکزی درس قرآن حکیم کا انعقاد جمعیت الفلاح ہال میں کیا جایا کرے۔ نیز جمعہ کا خطاب اور دیگر درس کی مجالس مختلف مقامات پر منعقد کی جایا کریں لیکن اپریل ۱۹۷۳ء کے بعد بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے ہر ماہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ سال میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی پانچ مرتبہ کراچی تشریف آوری ہوئی۔ ہر آمد پر جو پروگرام منعقد ہوئے ان کی اجمالی رُوداد حسب ذیل ہے :-

جون ۱۹۷۳ء | انجمن کی باقاعدہ تاسیس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی پہلی آمد ماہ جون ۱۹۷۳ء میں ہوئی۔ ۶ جون اور ۷ جون ۱۹۷۳ء بروز بدھ اور جمعرات جمعیت الفلاح ہال میں درس قرآن حکیم کی دو مرکزی مجالس منعقد ہوئیں۔ ۸ جون بروز جمعہ مسجد قدسی جمشید روڈ میں نماز جمعہ سے قبل خطاب ہوا۔ اسی شب کو میونسپل گراؤنڈ حسین ڈی سلوا ٹاؤن شمالی ناظم آباد میں انجمن محمّدی کے اشتراک سے منعقدہ ایک جلسہ عام میں ڈاکٹر صاحب نے سیرت النبیؐ کے موضوع پر خطاب کیا۔

جولائی ۱۹۷۳ء ۲۷ر جولائی بروز جمعہ ڈاکٹر صاحب نے مدینہ مسجد میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا اور دہلی کالونی گذری روڈ میں بعد عشا درس قرآن حکیم دیا۔ ۲۸ر جولائی ۷۳ء ہفتہ کی شام کو کراچی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کی جانب سے منعقدہ جلسہ سیرت النبیؐ میں سیرت کے موضوع پر خطاب کیا۔ اسی شب کو مسجد قدسی جمشید روڈ میں قرآن حکیم کا درس دیا۔ کراچی کی مرکزی درس قرآن کی مجلس اس ماہ ۲۹ر جولائی بروز اتوار مدینہ مسجد میں منعقد ہوئی (جمعیت الفلاح ہال کسی دوسری تقریب کے لئے مختص تھا) اتوار ہی کو ڈاکٹر صاحب نے جامع مسجد بلاک نمبر ۵ ناظم آباد میں انجمن اصلاح العمل کے اشتراک سے منعقدہ ایک اجتماع کو بعد نماز عشا "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے موضوع پر خطاب کیا۔ یہ خطاب کراچی کی انجمن کی جانب سے پمفلٹ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

ستمبر ۱۹۷۳ء ماہ ستمبر ۷۳ء میں ۹ تا ۱۱ ستمبر تک تین درس کی مجالس منعقد ہوئیں اور یہ تینوں مجالس جمعیت الفلاح ہال ہی میں ہوئیں۔ ۹ ستمبر اتوار کو اور ۱۱ ستمبر منگل کو صبح ساڑھے نو بجے اور ۱۰ ستمبر پیر کو بعد نماز مغرب ۹ ستمبر اتوار کی شب کو ڈاکٹر صاحب کا ایک عمومی خطاب جامع مسجد بلاک نمبر ۵ ناظم آباد میں "روزہ" کے موضوع پر ہوا اور موصوف نے ۱۱ ستمبر منگل کو جامع مسجد پیر الٰہی بخش کالونی میں بعد نماز عشا درس قرآن حکیم دیا۔

دسمبر ۱۹۷۳ء ستمبر ہی میں یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دسمبر ۷۳ء میں ایک ہفت روزہ قرآنی تربیت گاہ کا جمعیت الفلاح ہال میں انعقاد عمل میں لایا جائے چنانچہ اس تربیت گاہ کا انعقاد عمل میں آیا اور یہ ہفت روزہ کی بجائے ہشت روزہ ہوئی۔ اس موقع پر قرآنی تربیت گاہ کے ساتھ بہت ہی گھمبیر پروگرام روبہ عمل آیا جس کی اجمالی کیفیت درج ذیل ہے :-

۲۱ر دسمبر بروز جمعہ جامع مسجد پیر الٰہی بخش کالونی میں ڈاکٹر صاحب کا جمعہ کا خطاب ہوا۔ اسی دن نماز عصر کے بعد پاکستان نیشنل آئل لمیٹڈ کے دفتر میں Y.M.C. کلب کے زیر اہتمام منعقدہ جلسہ سیرت النبیؐ کو ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا:

۲۳ر دسمبر اتوار کو ساڑھے دس بجے صبح جامع مسجد نیو ٹاؤن میں نکاح کی ایک تقریب میں "اسلام کا معاشرتی نظام" کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے خطاب کیا۔ اسی دن بعد نماز عصر جمعیت الفلاح ہال میں آٹھ روزہ تربیت گاہ کا آغاز ہوا جو ۳۱ر دسمبر ۷۳ء تک جاری رہی۔

اس تربیت گاہ میں تقریباً آٹھ حضرات بیرون کراچی سے تشریف لائے تھے اور تقریباً ۲۵ حضرات کراچی سے ہمہ وقت قیام پذیر تھے۔ اس تربیت گاہ میں کراچی کی حد تک پہلی بار نماز فجر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے درس حدیث دیا۔ دوسری مجلس نماز عصر اور تیسری مجلس بعد نماز عشا منعقد ہوتی۔ ۲۵ر دسمبر اور ۳۰ر دسمبر کو عام تعطیلات کی وجہ سے درس قرآن حکیم کی مجالس صبح ۹ بجے ہوئیں۔

تربیت گاہ کی افتتاحی مجلس میں ڈاکٹر صاحب نے سورۂ توبہ کی آیت کا درس دیا۔ بعدہٗ نماز عصر اور مغرب کے مابین والی مجلس میں ڈاکٹر صاحب تیسویں پارہ کی سورتوں کا درس دیتے تھے اور مغرب کے بعد والی مجلس میں سورۂ ہود

کا مسلسل درس ہوتا رہا۔ اسی ذیل میں سورۂ یونس کے دو رکوع مشتمل بر " انبائے رسل" بھی زیر درس آئے آخری پارے میں سے ترتیب وار سورۂ بلد سے لے کر سورۃ والتین تک چھ سورتوں کا درس ہوا۔

صبح درس حدیث کی مجلس میں حاضری کا اوسط ساٹھ ستر ہوتا تھا البتہ عصر کے بعد کی مجلس میں حاضری کا اوسط بالعموم دو صد اور مغرب کے بعد کی نشست میں بالعموم تین صد ہو جاتا تھا۔ خدا کا صد ہزار شکر و احسان ہے کہ شرکاء نے حد درجہ ذوق و شوق کا اظہار کیا اور اکثر حضرات کا تقاضا ہوا کہ اس قسم کی تربیت گاہیں سال میں ایک سے زیادہ مواقع پر منعقد کی جایا کریں۔

اس تربیت گاہ کے انعقاد کے دوران ۲۸ دسمبر کو ایک جمعہ بھی پڑا چنانچہ اس جمعہ کو ڈاکٹر صاحب نے پاکستان سیکریٹریٹ کی جامع مسجد' مسجد خضری میں جمعہ سے قبل خطاب فرمایا۔ تربیت گاہ کے دوران رفقا نے قیام اللیل کا بھی اہتمام کیا۔

اقامتی تربیت گاہ اپریل ۱۹۷۴ء

ڈاکٹر صاحب نے دسمبر ۷۳ء میں اپنے اس فیصلہ کا اظہار فرما دیا تھا کہ وہ آئندہ سال بھی سال میں چار مرتبہ سے زائد کراچی تشریف نہ لا سکیں گے البتہ موصوف نے پیش کش فرمائی کہ دو تین دن کی بجائے کراچی کی انجمن کے لئے پانچ چھ دن دے سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی آمد پہ ایک اقامتی تربیت گاہ کا انعقاد عمل میں لایا جایا کرے اور یہ تربیت گاہ شہر میں رکھنے کی بجائے مضافات کراچی ہی میں رکھی جائے اور اس میں کم از کم پندرہ ایسے حضرات شریک ہوں جو ہمہ وقت تربیت گاہ میں رہنے کا فیصلہ کریں۔ چنانچہ کراچی کی انجمن نے ایک چار روزہ اقامتی تربیت گاہ یکم اپریل تا ۴ اپریل کورنگی میں قریشی کنسٹرکشن کمپنی کی عمارات میں منعقد کرنے کا پروگرام مرتب کیا۔ اس تربیت گاہ کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب کے دو خطابات عام کا بھی فیصلہ ہوا اور ماہ ربیع الاول کی رعایت سے ان خطابات کے لئے سیرت النبیؐ کا موضوع مقرر کیا گیا۔ لہٰذا ۳۰ مارچ ۷۴ء بروز ہفتہ بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کا پہلا خطاب جناب مولانا محمد تقی صاحب عثمانی (فرزند ارجمند مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ) مدیر ماہنامہ "البلاغ" کراچی کی زیر صدارت منعقدہ اجتماع تھیوسوفیکل ہال میں ہوا اور دوسرا خطاب اسی مقام پہ ۳۱ مارچ ۷۴ء کو صبح ساڑھے نو بجے جناب مولانا محمد عباس صاحب ندوی خطیب جامع مسجد کورٹ روڈ کے زیر صدارت منعقدہ اجلاس میں ہوا۔ اس طرح ایک اجلاس حنفی اور دوسرا اجلاس اہلحدیث عالم دین کی زیر صدارت ہوا۔ کراچی میں جمعیت الفلاح ہال اور مساجد کو چھوڑ کر پہلی بار انجمن نے ایک بڑے ہال میں ان خطابات کے انعقاد کا فیصلہ کیا تھا۔ فطری بات ہے کہ کارکنان میں ایسے اجتماعات کی کامیابی کے لئے شدید شوق ہوتا ہے اور جب بھی انجمن کوئی نیا تجربہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو جہاں بعض رفقاء میں نیا جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے وہاں ہمارے بعض رفقاء تردد میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کو یہ اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ حاضری کے لحاظ سے اگر یہ اجتماع ہلکا ہوا تو اس کا اثر کارکنان کی حوصلہ شکنی کا باعث ہو سکتا ہے۔ چنانچہ تھیوسوفیکل ہال میں انعقاد کے فیصلہ پر ہمارا تاثر یہ ہے کہ ہمارے بعض رفقا کو تردد تھا جو بالکل فطری تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دونوں اجتماعات متوقع سے زیادہ کامیاب ہوئے۔ ہفتہ کی شب کے اجتماع میں حاضری کا اندازہ چار سو کے لگ بھگ ہے اور اتوار کے دن کے اجتماع میں شرکاء کی تعداد کا اندازہ تین سو سے زائد ہے۔ اس

کامیابی پر ہم نہایت عجز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں ہدیہ شکر و سپاس اور رفقاء کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں ۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے تربیت گاہ کا انعقاد کورنگی میں ہوا تھا۔ اس تربیت گاہ میں شرکت کے لئے پانچ رفقاء لاہور سے اور ایک حیدرآباد سے تشریف لائے تھے۔ مقامی طور پر ہمہ وقت شریک ہونے والے رفقاء کی تعداد ۱۹ تھی، دوران میں چار حضرات کا اور اضافہ ہوگیا چنانچہ شرکا کی کل تعداد ۲۹ ہوگئی۔ عصر کے بعد درس قرآن کی مجلس میں شرکت کے لئے روزانہ تقریباً پندرہ حضرات شہر سے تشریف لاتے تھے چنانچہ اس نشست میں شرکاء کی تعداد عموماً ۴۴ رہتی تھی۔ تربیت گاہ کے جملہ انتظامات صفائی اور کھانا پکانے کا انتظام بھی رفقاء خود ہی کرتے تھے۔ مقیم حضرات نے قیام اللیل کا بھی اجتماعی طور پر اہتمام کیا۔

فجر کی نماز کے بعد درس حدیث ہوتا تھا اور ۹ بجے سے ایک بجے تک کی نشست میں ڈاکٹر صاحب نے "حقیقت شرک" اور "حقیقت ایمان" کے موضوعات پر انتہائی تفصیلی خطاب کیا۔ ہر خطاب ڈھائی تین گھنٹے کا رہا۔ ظہر سے عصر تک عموماً آرام اور باہمی ملاقاتوں کا وقفہ ہوتا تھا۔ عصر کے فوراً بعد درس قرآن کی مجلس ہوتی تھی۔ یہ مجالس تین دن منعقد ہوئیں۔ اور ان میں بالترتیب سورہ علق، سورہ القلم اور سورۂ مزمّل کا درس ہوا۔ پروگرام میں سورہ مدثر بھی شامل تھی۔ لیکن بدھ کی شام کی نشست میں درس قرآن حکیم کی بجائے ڈاکٹر صاحب نے اپنا کتابچہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصل کام" کا مطالعہ کرایا۔ اس کتابچہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کو انجمن کے منشور کا مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کے مطالب کو اکثر مقامات پر ڈاکٹر صاحب واضح بھی کرتے رہے اور بلیک بورڈ پر وضاحتی امور کی توضیح و تشریح بھی کرتے رہے۔ یہ مجلس بعد عصر پونے چھ بجے سے ۹½ بجے شب تک جاری رہی۔ درمیان میں مغرب کی نماز کے لئے وقفہ ہوا اور عشا کی نماز جس کے لئے ۹ بجے کا وقت مقرر تھا اس شب پونے دس بجے جماعت سے ادا کی گئی۔ اس کتابچہ کے دوران مطالعہ شرکاء مختلف سوالات بھی کرتے رہے جن کے جوابات اور توضیحات ڈاکٹر صاحب موصوف پیش فرماتے رہے۔ سورۂ مدثر کا درس رہ گیا تھا، چنانچہ طے کیا گیا کہ اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات کا درس ۵ راپریل کو انجمن کے سالانہ اجلاس کے بعد جمعیت الفلاح ہال میں بعد نماز مغرب رکھا جائے۔ اب انشاء اللہ دوسری اقامتی تربیت گاہ وسط جون میں منعقد ہوگی جس کا تفصیلی پروگرام آج کے اجلاس میں منتخب ہونے والی مجلس منتظمہ جلد مرتب کرکے اس کی اشاعت کا انتظام کرے گی۔

نشر و اشاعت

کراچی کے کثیر الاشاعت انگریزی روزنامہ "ڈان" (DAWN) میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتابچہ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا انگریزی ترجمہ ۱۹۷۵ء کے ماہ اکتوبر اور نومبر میں ہر ہفتہ جمعہ کی اشاعت میں قسط وار شائع کرایا گیا۔ یہ مضمون آٹھ اقساط میں شائع ہوا۔ انگریزی پڑھے لکھے اعلیٰ علمی سطح کے لوگوں کے ذہنوں تک پہنچنے کی یہ ہماری پہلی بھرپور کوشش تھی۔

دسمبر ۷۶ء اور اپریل ۷۷ء کے تربیتی اجتماعات اور سیرت النبیؐ کے جلسوں کی پبلسٹی کے لئے تمام ذرائع اختیار کئے گئے۔ اس سلسلہ میں ہزاروں کی تعداد میں ہینڈبل تقسیم کئے گئے، مساجد، بازاروں، سکولوں اور کالجوں اور دیگر نمایاں مقامات پر پوسٹر چسپاں کئے گئے اور معروف چوراہوں پر بینرز لگائے گئے۔ اخبارات میں اعلانات کے علاوہ اجرت دے کر نمایاں اعلانات بھی شائع کرائے گئے۔ اس پبلسٹی سے جہاں ایک طرف یہ فائدہ ہؤا کہ لوگوں نے اجتماعات اور جلسوں میں شرکت کی وہاں دوسری طرف ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہؤا کہ انجمن عوام و خواص میں روشناس ہوگئی۔

ڈاکٹر صاحب کی کراچی آمد پر جو بھی اجتماعات ہوتے رہے ہیں اُن کے پروگراموں کے ہینڈبل ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر عوام میں تقسیم کئے جاتے رہے ہیں۔

مزید برآں انجمن کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں ایسے حضرات کے پوسٹل پتے موجود ہیں جو انجمن کے کام سے دلچسپی لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی کراچی تشریف آوری اور پروگرام سے ان حضرات کو بذریعہ ڈاک برابر مطلع کیا جاتا رہا ہے۔

۳۰ر اور ۳۱ر مارچ ۷۷ء کو جلسہ سیرت النبیؐ کے موقعہ پر کراچی کی انجمن نے دو صفحات پر مشتمل انجمن کے تعارف پر مشتمل ہینڈبل جلسہ کے شرکاء میں تقسیم کیا۔

انجمن کے قواعد و ضوابط پر مشتمل پمفلٹ جو اپریل ۷۶ء میں چھپوایا گیا تھا سیرت النبیؐ کے جلسہ کے موقعہ پر اب یہ دوبارہ اشاعت پذیر ہوگیا ہے۔

انجمن کی جانب سے مکتبہ کے لئے پہلی پیشکش

جولائی ۷۶ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ناظم آباد میں سورہ اعراف کی ایک آیت کے جز کی روشنی میں "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کے موضوع پر خطاب کیا تھا۔ یہ خطاب اپنی تاثیر اور استدلال کے لحاظ سے ایک خاصہ کی چیز ہے۔ اس خطاب کا ٹیپ جہاں بھی سنایا گیا ہے انتہائی مؤثر ثابت ہؤا ہے۔ اس خطاب کو ٹیپ سے منتقل کرکے ایک کتابچہ کی صورت میں کراچی کی انجمن کی جانب سے شائع کیا گیا ہے۔ اس پمفلٹ کی کتابت، پروف ریڈنگ، طباعت بائنڈنگ کے تمام مراحل صرف پانچ یوم میں تکمیل پائے ہیں۔ اس کتابچہ پر ڈاکٹر صاحب کی نظرِ ثانی نہیں ہوسکی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ہماری اس "جسارت" کو پسند کیا۔ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نظرِ ثانی کے بعد یہ کتابچہ "مسلمانوں پر نبی اکرمؐ کے حقوق" کے نام سے جلد منصۂ شہود پر آجائے گا اور انجمن کے لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ کا باعث ہوگا۔ اس پمفلٹ پر پچاس پیسے لاگت آئی ہے پچھتر پیسے اس کی قیمت اس لئے رکھی گئی ہے کہ اگر اس کو بک سٹالوں پر رکھا جائے تو کمیشن دینے کی گنجائش نکل آئے۔ ارکان انجمن اور دیگر حضرات اس کتابچہ کو اگر تبلیغی مقاصد کے لئے پھیلانے کی غرض سے لینا چاہیں تو یہ کتابچہ پچاس پیسے میں ان کی خدمت میں پیش کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ کم از کم دس نسخے لیں۔ انشاء اللہ یہ کتابچہ انجمن کے مقاصد کے تعارف کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا اگر یہ کتابچہ جلد ختم ہو گیا تو کراچی کی انجمن طباعت و اشاعت کا مزید کام انجام دینے کا حوصلہ کرے گی۔ ہمارے ایک رفیق نے سورۃ بلد سے کر

سورہ والتین تک کے دروس کو ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پہ منتقل کر دیا ہے نیز سورہ الصف اور سورہ جمعہ کے درس بھی جلد ہی انشاء اللہ ٹیپ سے لکھ لئے جائیں گے۔ مزید برآں ڈاکٹر صاحب نے تربیت گاہ کورنگی میں "حقیقت شرک" اور "حقیقت ایمان" کے موضوعات پر جو بصیرت افروز تقاریر کی ہیں وہ بھی موصوف کی ہدایت پہ جلد ٹیپ سے منتقل کر لی جائیں گی۔ انشاء اللہ۔ کراچی کے ارکان اور دیگر رفقاء اس کتابچہ کی نکاسی میں تعاون فرمائیں گے تو انشاء اللہ رفتہ رفتہ کراچی کی انجمن کی مطبوعات بتدریج بڑھتی جائیں گی۔

لٹریچر کی اشاعت

انجمن کے کام کے تعارف اور توسیع کے لئے انجمن کا لٹریچر ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے دو کارکنوں نے کراچی میں دس بارہ کتب فروشوں اور بک سٹالوں پہ لٹریچر رکھنے کا انتظام کیا ہے بحمداللہ اس کوشش کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ اور اس فروخت کے علاوہ جو انجمن کے دفتر یا اجتماعات میں ہوتی ہے ان کتب فروشوں کے ذریعہ کتابوں کی فروخت کا اوسط تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار ہے۔ اس کام میں مزید توسیع کرنے کا پروگرام ہے۔ ہمارے یہ کارکن ان بک سٹالوں سے برابر رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار تمام بک سٹالوں پہ بذریعہ فون یا خود جاکر کتب کی فروخت کا جائزہ لیتے ہیں اور نئے آرڈر حاصل کر کے فوری طور پہ کتب کی ترسیل کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک ہینڈبل بھی چھپوایا گیا ہے جس کے ایک جانب انجمن کی کتب کی فہرست ہے اور دوسری جانب کراچی کے ان بک سٹالوں کے نام، پتے اور فون نمبر درج ہیں جہاں سے کتب مل سکتی ہیں۔ بک سٹالوں پہ لٹکانے کے لئے انجمن کی کتب کے تعارف کے واسطے پلاسٹک کے خوبصورت بینرز بھی بنوائے گئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک کے چند بڑے اخبارات میں انجمن کی کتب کے اشتہارات شائع کرائے جائیں تاکہ کتب کی فروخت میں اضافہ ہو اور اس طرح دعوت میں توسیع ہو۔

جامع مسجد کے باہر لٹریچر کی فروخت | رمضان المبارک سے قبل کے چار جمعوں کو مسلسل چند رفقاء نے جمعہ کی نماز کے بعد مسجد خضراء میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" اردو و انگریزی "راہ نجات" اور "مقدمۂ تدبر قرآن اور تفسیر آیت بسم اللہ" کی اجتماعی فروخت کا انتظام کیا۔ یہ تجربہ خاصا کامیاب رہا۔ اس طرح مجموعی طور پہ تقریباً ڈھائی سو کتب فروخت ہوئیں۔

۵ اپریل ۱۹۷۷ء بروز جمعہ مسجد خضراء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کے بعد کراچی کی انجمن کی جانب سے شائع کردہ پہلا کتابچہ "نبی اکرم ؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" (قیمت ۷۵ پیسے) اور ڈاکٹر صاحب کے کچھ دیگر پمفلٹ فروخت کرنے کی مہم چلائی گئی۔ بحمداللہ تقریباً تین سو کتابچے فروخت ہوئے۔ مانگ ہنوز باقی تھی لیکن اس وقت کتابچے ختم ہو چکے تھے۔ ضرورت ہے کہ کراچی کی بڑی بڑی مساجد کے باہر جمعہ کے اجتماعات میں باقاعدہ منظم طریقہ سے یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ توقع ہے کہ انشاء اللہ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔

کم قیمت پہ لٹریچر ہمارے ایک رفیق نے مرکزی انجمن سے پانچ پانچ سو نسخے "مسلمانوں پہ قرآن مجید کے حقوق" اور پانچ سو نسخے "راہ نجات" کے اپنے جیب خاص سے منگا کر ۲۵ پیسے میں رفقا کو فروخت اور تقسیم کے لئے پیش کئے۔ واضح رہے کہ ہر پمفلٹ کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ ان کی پیش کش یہ تھی کہ ۲۵ پیسے میں یہ پمفلٹ لے کر ہمارے رفقا اسی قیمت پہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیں یا ہدیۃً پیش کر دیں۔ بحمد اللہ یہ تمام نسخے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ ان رفیق کو جزائے خیر سے نوازے۔

۷۷/۱۹۷۶ء میں کراچی کی انجمن کے توسط سے مرکزی انجمن کے مکتبہ کی کل فروخت ۶۰۵۷/۰۰ روپے ہے۔ لٹریچر کو ہمارے مقاصد میں بنیادی اینٹ کا مقام حاصل ہے۔ اس لئے ہم اپنے رفقاء سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کام کے لئے اپنا دستِ تعاون بڑھائیں۔

لٹریچر کی مفت تقسیم سورۃ والعصر کا درس مرکزی انجمن نے "راہ نجات" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا درس اور ایک تحریر دونوں شامل تھیں۔ بعدہٗ مرکزی انجمن نے صرف درس والا حصہ طبع کرایا اور لاگت پہ مفت تقسیم کے لئے کراچی انجمن کو دینے کی پیش کش کی چنانچہ ڈھائی ہزار نسخے کراچی انجمن نے منگائے جس میں سے نصف کے قریب تقسیم ہو چکے ہیں۔ ہمارے رفقاء دفتر انجمن سے حاصل کر کے اسے ان لوگوں تک ہدیۃً پہنچا سکتے ہیں جو مطالعۂ قرآن کا کچھ ذوق و شوق رکھتے ہوں۔ یہاں یہ بتانا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پاکستان نیشنل آئل لمیٹیڈ کے ملازمین کے کلب کے زیر اہتمام سیرت النبیؐ کے اجلاس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کے موقعہ پہ PNO سیرت کمیٹی کی جانب سے ایک یادگاری مجلہ ایک ہزار کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا جس میں خاص طور پہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مضمون "مسلمانوں پہ قرآن مجید کے حقوق" شائع کیا گیا تھا۔

عربی کی تعلیم

عزیز آباد میں تقریباً پانچ ماہ قبل سے عربی تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے۔ ہر بدھ کو بعد مغرب ۸/A ۹۸ عزیز آباد میں ہمارے رفیق مسرور صاحب کے مکان پر یہ کلاس لگتی ہے جس میں انجمن کے معتمد عمومی جناب صلاح الدین صاحب عربی کا درس دیتے ہیں۔ شروع شروع میں شرکاء کی تعداد پندرہ رہی جو گھٹتے گھٹتے اب آٹھ دس رہ گئی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی دوران صلاح الدین صاحب تقریباً ڈیڑھ ماہ کے لئے کراچی سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ عربی کی تعلیم جو ہمارے بنیادی مقاصد میں سے ہے افسوس ہے کہ اس طرف توجہ نہ دینے کے برابر رہی ہے۔ توقع ہے کہ نئی منتخب ہونے والی مجلس منتظمہ اس مسئلہ کی طرف کما حقہٗ توجہ دے گی۔

خصوصی اعانت

ہر ادارہ کو اپنے کام کے لئے مالی تعاون کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہی مسئلہ انجمن کو درپیش ہوتا رہا ہے۔

تربیت گاہ (منعقدہ دسمبر ۱۹۷۱ء) کے اخراجات کا تخمینہ (بشمول طعام وغیرہ) تقریباً چار ہزار روپے تھا اور انجمن کے وسائل اس کے متحمل نہیں ہو رہے تھے لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ہمارے ایک متاثر کو جب اس تربیت گاہ کے انعقاد کا علم ہوا تو انہوں نے اس کام کے لئے پانچ ہزار کا یک مشت عطیہ مرحمت فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس انفاق کو قبول فرمائے۔

اسی طرح ہم کو لاؤڈ سپیکر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مجلس منتظمہ کے ایک رفیق کے تعاون سے تقریباً ۲۶ سو روپے میں مکمل لاؤڈ سپیکر خرید کر لیا گیا ہے اور اب انجمن کے پاس بحمد اللہ اپنا لاؤڈ اسپیکر موجود ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان رفیق کے انفاق کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے۔

اس وقت تک کراچی کے مختلف حلقوں اور ذیلی حلقوں میں درس قرآن سنانے کے لئے مختلف حضرات کے ذاتی ٹیپ ریکارڈرز سے کام ہو رہا ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ انجمن کا اپنا ایک ٹیپ ریکارڈ ہو اور تمام دروس کے مکمل ٹیپ کے چند سیٹ کراچی کے مرکزی دفتر میں موجود رہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو ہمیں توقع ہے کہ کوئی صاحب خیر اس معاملہ میں بھی انجمن کے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ اس ضمن میں یہ تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کے کتابچے اور تدبر قرآن کی جلدیں بیرون پاکستان بھی جا رہی ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے دروس کا چرچا بعض بیرونی ممالک خصوصاً سعودی عرب میں پہنچ چکا ہے اور وہاں پر دروس کے ٹیپ سننے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔ بعض وہ حضرات جو ڈاکٹر صاحب کے درس پاکستان میں سن چکے ہیں اور اب بغرض ملازمت خصوصاً سعودی عرب میں مقیم ہیں ان کی جانب سے اس اشتیاق کا اظہار ہوا ہے کہ درس کے ٹیپ CASSET اور SPOOL دونوں میں وہاں پہنچ جائیں۔ تبادلہ میں وہ سادہ CASSET اور SPOOL بھیجنے کے لئے آمادہ ہیں۔ تاکہ یہ سلسلہ تسلسل اور ترتیب سے جاری رہے اس کام کو منظم کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ افریقہ اور انڈونیشیا میں قیام پذیر اردو بولنے والے مسلمانوں کی جانب سے بھی ڈاکٹر صاحب کے درس قرآن کے ٹیپ کے حصول کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے۔ ہمارے ایک رفیق کے توسط سے چند درس کے ٹیپ افریقہ روانہ کئے جا چکے ہیں۔

دفتر کا مسئلہ

انجمن کراچی کا ابھی تک اپنا کوئی الگ دفتر نہیں ہے بلکہ قریشی کنسٹرکشن کمپنی کے دفتر ہی کو ہم بطور اپنے دفتر کے استعمال کر رہے ہیں۔ اب کام کی جو رفتار ہے اور آئندہ کام میں جس طرح توسیع ہوگی اس کے لئے ضروری ہے کہ انجمن کا اپنا الگ کوئی دفتر ہو اور یہ دفتر بھی کسی مرکزی جگہ پر ہو، انشاء اللہ اس کا اہتمام بہت جلد کر لیا جائے گا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

افکار و آراء

ا: برید حرم

زبیر عمر صدیقی، مکۃ مکرمہ

زبیر بن عمر صدیقی ایک ذہین اور شائستہ مزاج لیکن بنیادی طور پر مذہبی رجحان کے حامل نوجوان ہیں۔ ان کے والد مرحوم کے بہت قریبی روابط نیاز فتحپوری سے تھے لیکن ان کا تعلق اوائل عمر ہی سے جماعت اسلامی کی تحریک سے قائم ہو گیا۔ راقم کے جمعیت کے دور سے یہ غائبانہ متعارف تھے اگرچہ کبھی باقاعدہ ربط و تعلق کم از کم راقم کی یادداشت میں نہیں ہے —— بعد ازاں "او بصحرا رفت" کے مصداق کامل کے طور پر وہ تو سعودی عرب کے محکمہ تعلیم سے منسلک ہو کر مقیم حرم ہو گئے" اور راقم "ما در کوچہ ہا رسوا شدیم"! کی تصویر مکمل بن گیا۔

اواخر ۱۹۷۰ء میں راقم کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت نصیب ہوئی تو وہاں حرم مکی میں زبیر صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ بہت محبت اور تپاک سے ملے۔ بعد ازاں ان سے مزید صحبتیں بھی رہیں اور قیام بھی جزوی طور پر ان کے مکان ہی پر رہا۔

"میثاق" بابت جنوری و فروری ۷۴ء میں جو طویل تحریر راقم کے قلم سے نکل کر "تذکرہ و تبصرہ" کے صفحات میں شائع ہوئی اس سے جو تحریک ہوئی تو ایک نہایت مفصل خط زبیر صاحب نے ارسال فرما دیا —— اس میں جو چیزیں راقم کی ذات سے متعلق ہیں ان کے بارے میں تو راقم کو کچھ عرض نہیں کرنا۔ انہیں آزادی ہے جو چاہیں رائے قائم کریں البتہ جو مسائل اس دعوتِ تعلیم و تعلّم قرآن سے متعلق زبیر صاحب نے اٹھائے ہیں جسے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور لے کر اٹھی ہے تو وہ بہت اہم بھی ہیں اور نہایت بر وقت بھی۔ لہٰذا ان کے بارے میں مفصل گفتگو آئندہ شمارے میں ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

اسرار احمد

زبیر عمر صدیقی
صندوق البرید ۸۱۲۔ مکۃ مکرمہ
۱۸ر فروری ۷۰ء مکرمی و محترمی برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت فیوضہم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

بارہا ارادہ کیا کہ کبھی آپ کو تفصیل سے ایک خط لکھا جائے۔ یہ آپ کی عنایت ہے کہ 'میثاق' مجھے مسلسل بھیجتے رہے ہیں۔ اس سے آپ کی خیریت معلوم ہو جاتی تھی۔ اکثر تشنگی بھی محسوس ہوتی رہی۔ دل چاہا کہ 'میثاق' کے بارے میں اپنے تاثرات کبھی لکھوں، بہت سی باتیں ذہن میں آتی ہیں، مگر آپ جس طوفانی انداز میں اس کام کو لے کر جا رہے ہیں ڈرتا ہوں کہ میری معروضات آفتاب کو چراغ دکھانے کے مصداق نہ ثابت ہوں۔

میرے لئے آپ کے کام میں دلچسپی کا اصل واسطہ آپ کی ذات ہے۔ آپ سے جو تعلق خاطر اور قرب آپ کے قیام مکہ کے دوران محسوس ہوا وہ ممکن ہے آپ کو پوری طرح اب محسوس نہ ہوتا ہو مگر میرا حال مختلف ہے کہ جب بھی پرچہ ملتا ہے آپ سے گفتگو کے طویل لمحات یاد آتے ہیں۔

میرے پاس جب بھی کسی کی نظر 'میثاق' پر پڑ جاتی ہے تو لامحالہ موضوع سخن آپ کی طرف بھی ہو جاتا ہے۔ اکثر احباب سے بارہا آپ کے اور آپ کے کام کے متعلق گفتگو ہوتی رہتی ہے۔

ابھی جاپان سے جناب حسین خاں صاحب تشریف لائے تھے، کافی عرصہ ٹھہرے، ان سے ایک طویل ملاقات ہوئی اور آپ کا بھی ذکر ہوا۔

یہ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ ممکن ہے آپ پرچہ بھیجنے والوں کی فہرست میں کبھی میرا نام دیکھ کر یہ نہ سوچتے ہوں کہ اس شخص کی خاموشی جہل ہے اور یہ کہ کسی قسم کا RESPONSE نہ ہونا روح و فکر کے اضمحلال کی علامت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسی بات ہرگز نہیں اکثر آپ کے کام کے بارے میں سوچا۔ آپ کے بارے میں سوچا۔ جب بھی مدینہ منورہ گیا مولانا عبدالغفار حسن صاحب سے ملاقات کے دوران آپ ہی کا کام موضوع گفتگو رہا۔

پرچہ ملنے کے بعد جو چیز سب سے پہلے دیکھتا ہوں وہ یہ ہوتی ہے کہ "تذکرہ و تبصرہ" کتنے صفحے کا ہے جب بھی یہ صفحے مختصر سے نظر آئے طبیعت بجھ سی جاتی رہی۔ آپ یقین کریں کہ "تدبر قرآن" کو اگر علیحدہ کر دیں (اور میرے نزدیک تفاسیر اخباروں میں پڑھنے کی چیز نہیں ہیں) تو 'میثاق' میں میرے لئے اصل دلچسپی صرف آپ کے قلم سے ادارتی صفحات ہوتے ہیں۔ بعض دلچسپ علمی و تحقیقی مضامین بھی مل جاتے ہیں (مثلاً صدیق حسن مرحوم کا گزشتہ اشاعت کا مضمون)، اس وقت جو خط لکھنے کی تحریک قوی محسوس ہوئی وہ صرف اس لئے کہ آپ کے قلم کے پورے ۲۸ صفحے پڑھنے کو ملے۔ یہ یقیناً غیر معمولی سر و سامان نشاط تھا، جو مجھے ۱۸ر فروری کو میسر آیا۔ یقین کیجئے آج ہی دو بار پورا 'تذکرہ و تبصرہ' پڑھا اور طبیعت پر بڑا خوشگوار اثر ہوا۔

آپ کی اس تحریر میں مجھے جو دلچسپی ہے اس کی ایک وجہ میری وہ دلچسپی ہے جو مجھے "انانیاتی ادبیات"

EGOISTIC LITERATURE سے ہے۔ خودنوشت، مکاتیب، ڈائریاں اور ایسی ساری تحریریں جن میں انسان بے ساختہ بولتا ہوتا ہے، مجھے اچھی لگتی ہیں۔ SELF کا ایسا اظہار جس میں آورد نہ ہو COMPLEXES نہ ہوں پیارا محسوس ہوتا ہے اور مجھے مسحور کرتا ہے لیکن ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ وہ ساری نفسیاتی الجھنیں جن سے آج کا ادب بھرا پڑا ہے۔ SELF کے لئے مناسب ترین اظہار (EXPRESSION) ارتقا (GROWTH) اور تشخص (IDENTITY) کے مہیا نہ ہو سکنے کے سبب ہیں۔ اگر کسی کی "I AM NESS" کو یہ تینوں چیزیں میسر آجاتی ہیں خواہ وہ کسی درجے میں بھی ہوں۔ اس کی "میں" تحریر میں ہو یا تقریر میں دلپذیر محسوس ہونے لگتی ہے۔

آپ کی خودی نے یہ تینوں چیزیں ۱۷ سال تک "تلاش نو" کرکے آخر "انجمن خدام القرآن" کی شکل میں پالی ہیں اور آپ اپنے آپ کو پوری طرح اس سے ASSOCIATE کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کے اس پورے کام اور مشن کو اسی طرح سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ آپ اس میں بہت کامیاب بھی ہیں۔ کبھی کبھی البتہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کچھ الجھنیں جن کا تعلق ۵۷ء سے قبل کی سرگرمیوں سے ہے اظہار (EXPRESSION) کی بلند خیالی (IMAGERY) کو گہنا تے ہیں لیکن اس بار اس اعتبار سے بھی بڑی خوشگوار تبدیلی دیکھی۔

جماعت اسلامی سے ترکِ تعلق کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر جو لکھا ہے ؎

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گیا ۔۔۔ شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

نہ صرف اس الجھن کی معقول تحلیل کا اظہار کرتا ہے بلکہ مثبت اور رجائی نقطۂ نظر کا اظہار بھی ہے واقعہ یہ ہے کہ اس شعر کا اس سے بہتر استعمال میری نظر سے کسی تحریر میں نہیں گزرا۔

اس بار کے اداریہ پر چوتھا حصہ محترم ڈاکٹر الیاس صاحب کے ذکر پر مشتمل ہے اس میں یہ جملہ "بایں ہمہ آنعزیز کو فلسفہ کی راہ پر لگانے میں راقم کے پیش نظر یہ مقصد تھا" بڑا ہی معنی خیز محسوس ہوا۔ جدید ادب اور نفسیات میں اس قسم کے بہت سے اشارے ملتے ہیں۔ حصول کمال کی جد و جہد میں بارہا انسان اپنے قریب ترین افراد کی جد و جہد کو بھی اپنی ہی جد و جہد کا جزو بنا لیتا ہے۔ اولاد کے لئے والدین جو خواہشات رکھتے ہیں وہ دراصل ایک طرح سے ان کی وہ تمنائیں ہی ہوتی ہیں جو پوری نہ ہو سکیں۔

آپ کی تحریر اتنی رواں اور انداز اتنا پُرکشش ہے کہ کم از کم میں بہت لطف اٹھاتا ہوں مگر افسوس ہے کہ آپ کے قلم سے کم چیزیں نکلتی ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کے قلم کی گرہ اب واقعی کھل گئی ہو تاکہ ہم جیسے غریب الوطن بھی جو آپ کی مجلسوں سے مستفید نہیں ہو پاتے کچھ حاصل کر سکیں۔

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ "انجمن خدام القرآن" دراصل میرے نزدیک ڈاکٹر اسرار احمد سابق ایم بی بی ایس کا نام ہے۔ میرے نزدیک آپ کی انجمن کی بھی وہی حیثیت ہے جو آپ کی ہے۔ آپ سے تعلق خاطر اور عقیدت کے باوجود دوری اور فاصلے حائل ہیں۔ کوئی ڈائیلاگ واقع نہیں ہوتا۔ آپ کا پرچہ یک طرفہ پیغام محبت لاتا ہے جو

عام ہے سب کے لئے۔ محترمی ڈاکٹر ابصار صاحب کا "دعوت نامہ" شادی، بھی "تذکرہ و تبصرہ" کے وسیلہ سے ہی ملا میرے پاس کوئی رسالہ ہوتا تو ان کی شادی کی تقریب کو عین سنت نبوی کے مطابق انجام دینے پر آپ کو مبارکباد پیش کرتا۔ حقیقتاً اس تفصیل سے دل بہت خوش ہوا۔

آپ نے جو نکاح کی تقریب میں اپنی شرکت کے لئے اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لی ہیں وہ لائقِ صد تحسین ہی نہیں قابل تقلید بھی ہیں۔

قرآن کانفرنس کی تفصیل بھی پڑھی طبیعت بہت خوش ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابی عطا فرمائے۔ آپ کے کام اور پروگرام اور بالخصوص آپ کی محنت اور لگن دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ کچھ یہ عاجز بھی CONTRIBUTE کرے۔

آپ کے کام اور پروگرام اور میثاق وغیرہ کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کرنے کی خواہش ہے۔ پتہ نہیں کب موقع ملے گا۔ ذہن میں بہت سی باتیں آتی رہتی ہیں۔ ایک بات کا اجمالاً ذکر کرتا ہوں۔

آپ جو کام کر رہے ہیں اور جس طرح کر رہے ہیں وہ زمان و مکان سے بے نیاز نظر آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم ابدی کتاب ہدایت ہے، لیکن اس وقت "قرآنی فکر" کی تنفیذ کی بات کرتے ہوئے ہمارے سامنے لازماً اپنا ہی عصر ہوتا ہے۔ قرآن پر مضامین، ادب، اسلوب، زبان، سیاست، معیشت، فلسفہ کے نقطہ نظر سے آپ بہت سے لکھوا سکتے ہیں یقیناً یہ بھی خدمت ہے۔ قرآن فہمی کی راہ ہموار کرنا بھی عبادت ہے۔ ہمارے ہاں بے شمار لوگ قرآن پڑھتے ہیں بعض سمجھتے بھی ہیں۔ عربوں کو دیکھئے تو ان میں اکثر زبان کا حجاب نہ ہونے کے سبب خاصا فہم رکھتے ہیں عام بات چیت پر روانی سے قرآن کے حوالے دے دیتے ہیں مگر ——— قرآن پاک کا اصل مقصد کہیں بھی صحیح طرح پورا نہیں ہو رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ رجوع الی القرآن کے بعد آپ ان لوگوں کو جو کسی درجہ میں قرآنی فکر کے قریب آ رہے ہوں کس کام پر لگا رہے ہیں؟ سب لوگ تو یقیناً درس و تدریس یا تصنیف و تالیف کے کام کے نہیں ہوں گے انجمن کے مقصد میں "قرآن حکیم کی علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر تشہیر و اشاعت والی بات واضح اور CONCRETE متعین کی ہے لیکن اس کے بعد تجدید ایمان کی "عمومی" تحریک برپا ہو جانے والی بات اور نشاۃ ثانیہ اور غلبہ دین حق کے دور ثانی کی ہموار ہو سکنے کا ذکر انتہائی مجمل ہے اور راہ عمل کی واضح شکل سامنے نہیں آئی۔ آپ کے ذہن میں یقیناً ہو گی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے مستقل مضمون "کرنے کا کام" میں لکھا بھی ہے۔ لیکن فی الحال ان تمام لوگوں کے سامنے جو آپ کے ساتھ آئے ہیں "کرنے کے کام" کے آئندہ مراحل اور تقاضے نہیں آئے ہیں۔ اگر غلبہ دین حق کے لئے کام کرنے کی کوئی بھی عملی شکل آپ نے بنائی ہو تو اس پر کبھی قلم اٹھائیے تاکہ قرآن سے رجوع کرنے والوں اور قرآن فہمی کے لئے وقت اور مال کی قربانی دینے والوں کی عملی تربیت و امتحان بھی ساتھ ہی ہوتا جائے۔ میرے نزدیک اجتماعی کام اور مشن کا اصل مقصد تو اصلاح و تبدیلی ہی ہوتا ہے۔ رہی قرآنی فکر پر ایسا کوئی کام جو "عصر" کے فلسفوں کا رخ بدل دے، اللہ تعالیٰ خود کسی GENIUS اور عبقری سے

لیتا ہے۔ ORIGINAL WORK ۔ ایسوسی ایشن اور انجمنیں نہیں کرا سکتیں صرف انسائیکلو پیڈیا قسم کے کام ادارے کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ڈاکٹر ابصار صاحب بارادہ خود یہ کام اپنے لئے منتخب کر سکتے ہیں اور کئی برس کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد قرآن کی فکر کے کسی پہلو کو عہد جدید کے فلسفوں کے مقابل اعلیٰ و ارفع ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ کام REFLECTION اور طویل MEDITATION چاہتا ہے۔ اور سب سے زیادہ توفیق الٰہی !

کبھی کبھی شدت سے جی چاہتا ہے کہ آپ نے اگر طب چھوڑ دی تھی تو کم از کم اپنے گرد و پیش سے تو ترک تعلق نہ کرتے۔ اگر آپ ذاتی طور پر وطن اور عالم اسلامی کے عام حالات کا کچھ نہ کچھ ذکر "تذکرہ و تبصرہ" میں کرتے رہتے تو کم از کم اس نسل کی بھی ذہنی و نفسیاتی تسکین و تزکیہ ہوتا رہتا جنہیں یہ علم ہے کہ پنجاب میں جمعیت کا فعال دور آپ ہی کی محنت کا مرہون منت ہے" ——— بالفاظ دیگر وہ قرآن کی ہمہ گیر فکر سے DAY TO DAY واقعات و حالات پر بھی ایسی رہنمائی چاہتے ہیں جس سے یاس و ناامیدی کم ہو اور ایمان کی روشنی میں ماحول کے اندھیرے چھٹتے ہوئے محسوس ہوں۔

"قرآن اور اقبال" کے موضوع پر صرف مضمون لکھ دینے سے نہ اقبال کا مشن پورا ہوتا ہے اور نہ قرآن کے نزول کا مقصد۔

مجھے خیال آتا ہے کہ اگر آپ اقبال یا قرآن کے اصل مشن کے لئے کام کا اعلان کر دیں تو پتہ نہیں کہ آپ کے ہم سفروں میں کتنے ساتھ دے سکیں گے۔ قرآن کا درس سن لینا، قرآن پر تحقیقی مقالہ لکھ کر کانفرنس میں پیش کر دینا اور پھر شائع کرا دینا، مالی تعاون کر دینا اور اسی طرح کے بہت سے کام اب بھی آسان ہیں۔ ان میں باطل سے مزاحمت کے بھی کوئی خاص خطرے لاحق نہیں ہوتے۔ لیکن ذاتی فکر کے نفاذ کے عملی کام کرنے میں بڑی دشواریاں پیدا اور وہی کام کرنے کی کوئی صورت نہیں بنتی۔ آپ بتائیے کہ آپ کے ذہن میں آئندہ دس سال کے بعد کرنے کا اصل کام کیا ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ آپ کا کام آئندہ چند سالوں ہی میں خاصا وسیع ہو جائے گا۔ ہم "دودھ کا جلا چھاچھ پھونک کر پیتا ہے" کے مصداق یہ سوال احتیاطاً کر رہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ یہ سوال خارج از بحث قرار نہیں دیں گے۔ اس قسم کا سوال ذہن میں کیوں آتا ہے یہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ قبل از وقت بھی نہیں ہے اور وقت گزرتے دیر بھی کیا لگتی ہے۔ آپ سے مکہ میں ملاقات کو اب چوتھا سال ہے۔

اس طویل سمع خراشی سے معذرت خواہ ہوں۔ آپ کی مصروفیات کا بھی علم ہے۔ پھر میرے کلام و مخاطبت کا لہجہ اور مطالب بھی شاید آپ کو پسند نہ آئیں لیکن بہر صورت یہ توقع پھر بھی رکھتا ہوں کہ آپ لطف و عنایت کا علاقہ برقرار رکھیں گے۔

آخر میں آپ سے دعا کا خواستگار ہوں۔ بالخصوص یہ دعا کہ اللہ میرے ذہن کو کشمکش سے نجات عطا کر کے اور CONVICTION عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بے مقصد زندگی سے طبیعت گھبرا سی گئی ہے۔ زندگی اتنی مختصر ہے

لیکن بے مقصدیت سے اس کے جملے طویل معلوم ہوتے ہیں اور بوجھل بھی۔ "نشاط" کا لفظ اردو میں بمعنی خوشی و مسرّت استعمال ہوتا ہے۔ جدید عربی میں اس کے معنی جوشِ کار (EXCITEMENT, ACTIVITY) کے ہیں۔ میرے نزدیک یہ دونوں کیفیتیں باہم مربوط اور (INTER-DEPENDENT) ہیں۔ اس [illegible] دونوں معنی ہیں (نشا [illegible]) [illegible] دعا میرے لئے کبھی یاد آئے تو ضرور کیجئے۔

چھا اب اجازت۔ کم ہی کبھی کسی کو اتنا طویل خط لکھا ہوگا۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ، مخلص زبیر"

---

۲ — یہ بھی اک رُخ ہے ...

ارشاد احمد علوی، رحیم یار خان

> برادرم ارشاد احمد علوی بی اے بھی ایک نہایت نیک اور سلیم الطبع نوجوان ہیں، ان کا تعلق بھی اوائل عمری ہی سے جماعت اسلامی کی تحریک کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اور انہوں نے نوعمری ہی میں جماعت کی رکنیت بھی اختیار کر لی تھی، بعد ازاں وہ بھی تقریباً انہی وجوہ سے جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے تھے جن کی بنا پر راقم سمیت بہت سے دوسرے لوگ جماعت سے علیحدہ ہوئے، جیسا کہ ان کے اس خط سے بھی ظاہر ہے۔ ان کا جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے اہم حضرات کے علاوہ راقم سے بھی شدید مطالبہ رہا ہے کہ جماعت پر بھرپور تنقید کریں اور اپنے وجوہِ علیحدگی تفصیل سے بیان کریں۔ راقم کے نام ان کے اس مضمون کے بہت سے خطوط آئے ہیں اور جیسا کہ انہوں نے گلہ کیا ہے راقم ان کا جواب بھی نہیں دیتا رہا۔ یہ تازہ خط اس لئے ہدیۂ قارئین 'میثاق' ہے تاکہ زبیر عمر صدیقی صاحب کے مفصل خط کے بعد تصویر کا یہ دوسرا رُخ بھی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ آئندہ ماہ انشاء اللہ اس سلسلے میں بھی کچھ عرض کیا جائے گا۔ (اسرار احمدؐ)

"رحیم یار خاں

اخی فی الدین۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ بہت مدت بعد 'میثاق' کی زیارت ہوئی۔ فروری ۱۹۷۴ء کا شمارہ

نظر نواز ہوا۔ بہت کچھ پڑھنے میں آیا مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ قرآن مجید کی حتی المقدور خدمت اور لایعنی رسم و رواج کے خلاف جہاد بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان نیک کاموں کی توفیق ملنے پہ آپ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

سمن آباد ایک مرتبہ حاضری دی تو آپ کراچی گئے ہوئے تھے۔ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ ایک دو مرتبہ "نصف ملاقات" کی کوشش کی تو جواب سے محروم رہا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ نے دسمبر ۷۲ء کے شمارہ میں اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ آپ جماعت میں شمولیت کے لئے دوبارہ پر تول رہے تھے اور درخواست رکنیت بھی دے ڈالنے کا عزم کر لیا تھا اس لئے کہ جماعت عام انتخابات میں شکستِ فاش کے بعد خود احتسابی کی راہ پہ آ گئی تھی ——— ان تفصیلات سے مجھے بڑا افسوس ہوا تھا اور آپ کی خدمت میں ایک عریضہ کے ذریعہ درخواست کی تھی کہ جناب مودودی اور جماعت اسلامی کے ضمن میں آپ اپنے ذہن میں پختگی اور یکسوئی پیدا فرمائیں۔ شکست پہ ان لوگوں نے جو "مگرمچھ کے آنسو" بہائے ان سے آپ کا متاثر ہو جانا حد درجہ حیرت ناک ہے۔ مجھ ایسے بہت سے لوگوں کو آپ کی یہ کمزوری پڑھ کر سخت صدمہ پہنچا کہ آپ دوبارہ شمولیت پہ آمادہ ہو گئے تھے۔ کاش! آپ اس راز پہ سے پردہ نہ اٹھاتے تاکہ آپ کے بارے میں حسن ظن تو قائم رہتا۔ غالباً یہ بھی عرض کیا تھا کہ "سامری" سے بیر اور "بچھڑے" سے پیار عجیب معاملہ ہے۔

ان معروضات کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میرا خیال ہے کہ آپ اسی عریضہ سے ناراض ہو کر خاموش ہو گئے ہیں۔

بہر حال ہم جس بات کو درست خیال کرتے ہیں وہی احباب کے سامنے پیش کریں گے۔ جماعت کو ترک کرنے والے اصحاب کی سب سے بڑی کمزوری یہی رہی کہ انہوں نے جماعت مودودی اور جناب مودودی کے بارے میں جرأت مندانہ اور حقیقت پسندانہ موقف اختیار نہ کیا۔ نیچے دروں، نیچے بیروں کی پالیسی پہ عمل پیرا رہے۔ اس لئے کچھ نہ کر سکے، نہ مجتمع ہو سکے۔ غضب بالائے غضب یہ کہ اگر کسی نے کچھ کرنا چاہا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ مولانا اصلاحی اس "سبائیتِ جدیدہ" کا تار و پود بکھیر سکتے تھے مگر ان کا مودودی پرستوں نے گھیراؤ کر کے گوشہ نشینی پہ مجبور کر دیا۔ حکیم اشرف اور مصطفیٰ صادق صاحبان نے اوّل اوّل کچھ زور دکھایا اور پھر سجدہ سہو کر ڈالا، آپ ماشاء اللہ کافی ڈٹے اور خوب ڈٹے مگر آپ کو بھی "مودودیت پسند" لوگ درمیان سے ہی لے بھاگے ——— میں پہلے بھی کہتا رہا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ آپ واقفانِ رازِ عند اللہ اور عند الناس "مجرم" ہیں۔ آپ لوگوں نے کتمان حق سے کام لیا اور مجھ ایسے بے شمار لوگوں کا حق مارا جو دین سمجھ کر اس جماعت سے جڑے رہے اور اندرونِ خانہ حالات سے بے خبر رہے۔ حکیم اشرف اور مصطفیٰ صادق تو ع پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا ——— کا مصداق بن چکے ہیں۔ اب لے دے کے صرف آپ سے توقع ہے کہ شاید آپ "نقشِ غزل" کو مکمل کر کے کچھ کفارہ ادا کر سکیں۔

ایک بات آپ کے غور و فکر کے لئے عرض کرتا ہوں کہ آپ قبل تقسیم کی جماعت کو صحیح سمجھتے ہیں اور بعد تقسیم کی جماعت کو غلط۔ صرف اس لئے کہ طریق کار بدل گیا حقیقت یہ ہے کہ قبل تقسیم طریق کار صحیح تھا مگر عقیدہ،

لیکن بے مقصدیت سے اس کے لمحے طویل معلوم ہوتے ہیں اور بوجھل بھی۔ "نشاط" کا لفظ اردو میں بمعنی خوشی و مسرت استعمال ہوتا ہے۔ جدید عربی میں اس کے معنی جوشِ کار (EXCITEMENT، ACTIVITY) کے ہیں۔ میرے نزدیک یہ دونوں کیفیتیں باہم مربوط اور (INTER-DEPENDENT) ہیں۔ اس وقت [illegible] دونوں معنی میں "نشاط" سے محروم [illegible] دعا میرے لئے کبھی یاد آئے تو ضرور کیجئے۔

اچھا اب اجازت۔ کم ہی کبھی کسی کو اتنا طویل خط لکھا ہوگا۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ، مخلص زبیر"

۲۔ یہ بھی اِک رُخ ہے...

ارشاد احمد علوی، رحیم یار خان

برادرم ارشاد احمد علوی بی اے بھی ایک نہایت نیک اور سلیم الطبع نوجوان ہیں، ان کا تعلق بھی اوائل عمری ہی سے جماعت اسلامی کی تحریک کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اور انہوں نے نوعمری ہی میں جماعت کی رکنیت بھی اختیار کر لی تھی، بعد ازاں وہ بھی تقریباً انہی وجوہ سے جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہو گئے تھے جن کی بنا پر راقم سمیت بہت سے دوسرے لوگ جماعت سے علیحدہ ہوئے، جیسا کہ ان کے اس خط سے بھی ظاہر ہے۔ ان کا جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے اہم حضرات کے علاوہ راقم سے بھی شدید مطالبہ رہا ہے کہ جماعت پر بھرپور تنقید کریں اور اپنے وجوہِ علیحدگی تفصیل سے بیان کریں۔ راقم کے نام ان کے اس مضمون کے بہت سے خطوط آئے ہیں اور جیسا کہ انہوں نے گلہ کیا ہے راقم ان کا جواب بھی نہیں دیتا رہا۔ یہ تازہ خط اس لئے ہدیۂ قارئین 'میثاق' ہے تاکہ زبیر عمر صدیقی صاحب کے مفصل خط کے بعد تصویر کا یہ دوسرا رُخ بھی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ آئندہ ماہ انشاء اللہ اس سلسلے میں بھی کچھ عرض کیا جائے گا۔ (اسرار احمد)

"رحیم یار خان

اخی فی الدین۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ بہت مدت بعد 'میثاق' کی زیارت ہوئی۔ فروری ۱۹۷۲ء کا شمارہ

نظر نواز ہوا۔ بہت کچھ پڑھنے میں آیا مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ قرآن مجید کی حتی المقدور خدمت اور لایعنی رسم و رواج کے خلاف جہاد بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ان نیک کاموں کی توفیق ملنے پہ آپ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

سمن آباد ایک مرتبہ حاضری دی تو آپ کراچی گئے ہوئے تھے۔ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ ایک دو مرتبہ "نصف ملاقات" کی کوشش کی تو جواب سے محروم رہا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ نے دسمبر ۷۲ء کے شمارہ میں اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ آپ جماعت میں شمولیت کے لئے دوبارہ پہ تول رہے تھے اور درخواست رکنیت بھی دے ڈالنے کا عزم کر لیا تھا اس لئے کہ جماعت عام انتخابات میں شکستِ فاش کے بعد خود احتسابی کی لائن پہ آ گئی تھی ـــــ ان تفصیلات سے مجھے بڑا افسوس ہوا تھا اور آپ کی خدمت میں ایک عریضہ کے ذریعہ درخواست کی تھی کہ جناب مودودی اور جماعت اسلامی کے ضمن میں آپ اپنے ذہن میں پختگی اور یکسوئی پیدا فرمائیں۔ شکست پہ ان لوگوں نے جو "مگرمچھ کے آنسو" بہائے ان سے آپ کا متاثر ہو جانا حد درجہ حیرت ناک ہے۔ مجھ ایسے بہت سے لوگوں کو آپ کی یہ کمزوری پڑھ کر سخت صدمہ پہنچا کہ آپ دوبارہ شمولیت پہ آمادہ ہو گئے تھے۔ کاش! آپ اس راز پہ سے پردہ نہ اٹھاتے تاکہ آپ کے بارے میں حسن ظن تو قائم رہتا۔ غالباً یہ بھی عرض کیا تھا کہ "سامری" سے بیزار اور "بچھڑے" سے پیار عجیب معاملہ ہے۔

ان معروضات کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ میرا خیال ہے کہ آپ اسی عریضہ سے ناراض ہو کر خاموش ہو گئے ہیں۔

بہرحال ہم جس بات کو درست خیال کرتے ہیں وہی احباب کے سامنے پیش کریں گے۔ جماعت کو ترک کرنے والے اصحاب کی سب سے بڑی کمزوری یہی رہی کہ انہوں نے جماعت مودودی اور جناب مودودی کے بارے میں جرأت مندانہ اور حقیقت پسندانہ موقف اختیار نہ کیا۔ نیچے در وار بیچے بروں کی پالیسی پہ عمل پیرا رہے۔ اس لئے کچھ نہ کر سکے، نہ مجتمع ہو سکے۔ غضب بالائے غضب یہ کہ اگر کسی نے کچھ کرنا چاہا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ مولانا اصلاحی اس "سبائیتِ جدیدہ" کا تار و پود بکھیر سکتے تھے مگر ان کا مودودی پرستوں نے گھیراؤ کر کے گوشہ نشینی پہ مجبور کر دیا۔ حکیم اشرف اور مصطفیٰ صادق صاحبان نے اوّل اوّل کچھ زور دکھایا اور پھر سجدہ سہو کر ڈالا، آپ ماشاء اللہ کافی ڈٹے اور خوب ڈٹے مگر آپ کو بھی "مودودیت پسند" لوگ درمیان سے ہی لے بھاگے ـــــ میں پہلے بھی کہتا رہا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ آپ واقفانِ راز عند اللہ اور عند الناس "مجرم" ہیں۔ آپ لوگوں نے کتمانِ حق سے کام لیا اور مجھ ایسے بے شمار لوگوں کا حق مارا جو دین سمجھ کر اس جماعت سے جڑے رہے اور اندرون خانہ حالات سے بے خبر رہے۔ حکیم اشرف اور مصطفیٰ صادق تو ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا ـــــ کا مصداق بن چکے ہیں۔ اب لے دے کے صرف آپ سے توقع ہے کہ شاید آپ "نقضِ غزل" کو مکمل کر کے کچھ کفارہ ادا کر سکیں۔

ایک بات آپ کے غور و فکر کے لئے عرض کرتا ہوں کہ آپ قبل تقسیم کی جماعت کو صحیح سمجھتے ہیں اور بعد تقسیم کی جماعت کو غلط۔ صرف اس لئے کہ طریق کار بدل گیا حقیقت یہ ہے کہ قبل تقسیم طریق کار صحیح تھا مگر عقیدہ،

نظریہ اور فکر غلط۔ اور تقسیم کے بعد طریق کار بھی غلط ہو گیا۔ لہٰذا قصہ ختم۔ اس نکتہ پہ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں ویسے بھی دینی نقطۂ نظر سے اصل اختلاف ہے ہی عقیدے اور فکر و نظر کا۔ طریق کار کا اختلاف زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ پہلو آپ کے ذہن میں ابھی تک بھی صاف نہیں ہے۔ والسلام طالب دعا ارشد احمد علوی"

۳۔ "فنا فی القرآن یا بقا بالقرآن"

ڈاکٹر عبدالخالق رحیم یار خان
بی ایس سی، ایم بی بی ایس، ڈی سی پی ایچ

ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ایک سنجیدہ، حساس اور نیک طبع نوجوان ہیں۔ مطالعہ اور غور و فکر کے شوق کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زبان و ادب کے ستھرے ذوق سے بھی نوازا ہے۔ ان سے راقم کا تعارف ۱۹۶۲ء میں ہوا تھا جبکہ راقم تقریباً ہر ماہ رحیم یار خان حاضر ہوا کرتا تھا۔ بعد میں رحیم یار خاں حاضری کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا لیکن ان سے جو یاد اللہ چل نکلی تھی اس کا سلسلہ جاری ہے! ذیل میں ان کے ایک حالیہ خط سے اقتباس درج کیا جا رہا ہے۔ یہ گویا تمہید ہے ان کی ایک طویل تحریر کی جو آئندہ ماہ پیش کی جائے گی۔

بارہ ۱۷ر اپریل ۱۹۷۲ء

برادر محترم! السلام علیکم۔ اپریل کے میثاق میں "علامہ اقبال اور ہم"، "اقبال کا فلسفہ خودی" اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا خط ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالے۔

ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کا مقالہ بار بار پڑھنے کے بعد ہضم ہو گا۔

آپ کے مضمون کے متعلق یہی کافی ہے کہ ع "میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے"

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب سے اگر آپ میثاق کے اوراق میں بریڈلے (BRADLEY) کی تصنیف کے اس حصے کا ترجمہ کروا ڈالیں جس میں بقول ان کے "مصنف نے مسلک مادیت کی تردید میں ایسے براہین قاطع اور ادلہ ساطع جمع کر دی ہیں جس کا جواب مادہ پرستوں سے ممکن نہیں ہو سکا، اور نہ ہی آئندہ ہو سکے گا" تو یہ غور و فکر کرنے والے افراد کے لئے بہت کار آمد چیز ہو گی۔

ڈاکٹر ابصار احمد صاحب سے مجھے یا ہمیں بہت کچھ کہنا سننا ہے ع اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل" کے مصداق آپ کے ان سے تقاضے ہوں اور آپ کے بس میں ہو تو دنیا بھر کو اپنی طرح فنا فی القرآن بلکہ بقا بالقرآن کر دیں ..... میں کہہ یہ رہا تھا کہ ہمیں ڈاکٹر ابصار احمد صاحب سے بہت کچھ کہنا ہے۔ یہ کام خطوں سے ہونے کا نہیں، اس ملاقات سے "بہتوں کا بھلا" ہونے کی توقع ہے اس لئے خیال رکھیے گا، نہیں ساتھ لے آیئے یا کہہ دیجئے کہ یہاں واقعی خانہ خانہ نشست، والی بات ہے۔ برادرم ابصار احمد صاحب کو سلام۔ والسلام عبدالخالق

اطلاعات و اعلانات

(۱)

دفتر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ، میں اواخر اپریل سے دو نئے پروگراموں کا آغاز ہو رہا ہے :

۱- ہر جمعہ کی شام کو بعد از نماز مغرب ، پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی تقابل ادیان کے موضوع پر تقاریر کا سلسلہ ـــــ جس میں اولاً عیسائیت زیر بحث آئے گی ـــــ اور

۲- ہر ہفتہ کو عصر اور مغرب کے مابین ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقاریر کا سلسلہ جو خطبات اقبال کے متن کی تفہیم پر مشتمل ہوں گی :

" صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ! "

(۲)

انجمن خدام القرآن کراچی کے کارکنان کی جانب سے اعلان کیا جاتا ہے کہ:

" کراچی میں خواہ آپ کہیں بھی ہوں ، اگر آپ کو انجمن کی مطبوعات کی ضرورت ہو تو ہمیں فون نمبر ۵۱۰۵۲۶ پر مطلع فرماویں یا ۳۳/۳ ، فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ، صدر ، کراچی کے پتہ پر پوسٹ کارڈ ارسال فرما دیں ـــــ قیمت میں کسی اضافے کے بغیر آپ کی مطلوبہ کتب آپ کو پہنچا دی جائیں گی !

(۳)

۱- اعلان منجانب : پرنسپل تعلیم القرآن خط و کتابت سکول

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۱۲ ، لاہور

ایک پوسٹ کارڈ پر اپنا نام پتہ اور مختصر کوائف ہمیں بھیج دیجئے اور گھر بیٹھے کسی فیس کے بغیر اسلامی تعلیم کے مکمل دس سبق حاصل کیجئے :
ہمیں اپنے مسلم اور غیر مسلم احباب کے پتے بھیجئے !

۲- اعلان منجانب : ناظم اعلیٰ ، ادارۂ دارالقرآن

پوسٹ بکس نمبر ۳۳۱۲ ، کراچی نمبر ۱

ادارہ دارالقرآن نے مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کرنے اور ان کے اندر دین کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے چار انعامی مقابلوں کا پروگرام بنایا ہے (دو صد روپیہ ، ایک صد روپیہ ، چالیس روپیہ ، اور تیس روپیہ) تفصیل اور شرائط بیس پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں !

خریدار حضرات براہ کرم اپنا نیا خریداری نمبر نوٹ فرما لیں ! (مینیجر)

Monthly MEESAAQ Lahore, MAY 1974, Regd. No. L. 7360

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

ملّتِ اسلامی سے

علّامہ اقبال مرحوم

کے تین سوال

(۱)

پیشِ ما یک عالمِ فرسودہ است — ملّت اندر خاکِ او آسودہ است

رفت سوزِ سینۂ تاتار و کُرد! — یا مسلماں مُرد یا قرآں بمُرد؟

(۲)

صاحبِ قرآں و بے ذوقِ طلب؟

العجب، ثمّ العجب، ثمّ العجب!

(۳)

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم! — تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم؟

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن! — نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن!

پبلشر: محمد الدین، طابع: شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ - لاہور